اس شمارے میں

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ /۲۵ روپے فی پرچہ ۲/۵۰ روپے
بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ ۔ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

سمیع الحق استاد دار العلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

نقشِ آغاز

قادیانیوں کے متعلق نیا صدارتی آرڈی ننس

۷۳ء کے آئین میں قادیانیوں سے متعلق ان کے غیر مسلم اقلیت ہونے والی آئینی ترمیم کا مسئلہ اس آئین کے تعطل یا تنسیخ کی صورت میں دینی حلقوں میں تشویش و اضطراب کا موجب بنا ہوا تھا۔ ہر چند کہ اس سے قبل بھی اس ترمیم کے استقرار اور برقرار رکھے جانے کے بارہ میں وضاحتیں آتی رہیں۔ مگر اس کی قانونی پوزیشن کے بارہ میں جس دو ٹوک وضاحت کی ضرورت تھی اور جس انداز میں آئینی تحفظ درکار تھا اس کے بارہ میں کچھ حلقوں کو اب بھی خدشات تھے چنانچہ اس ضمن میں حالیہ آرڈی ننس سامنے آجانے سے دینی، علمی اور اسلامی حلقوں کو اطمینان ہوا۔ اور الحمدللہ کہ یہ معاملہ جسے بعض لوگ دینی درد اور اخلاص کی وجہ سے اور کچھ لوگ سیاسی عزائم کے لئے بار بار اٹھا رہے تھے۔ اب قطعی طور پہ طے ہو چکا۔ احقر نے مجلس شوریٰ کے حالیہ اجلاس شروع ہونے سے پہلے ہی دن جناب صدر پاکستان کے سامنے ان کے چیمبر میں بالکل علیحدگی میں یہ مسئلہ رکھا۔ اور اس کی حساسیت اور نزاکت کی طرف توجہ دلائی پھر اسی دن احقر نے اور شوریٰ کے ایک اور رکن برادرم مولانا قاری سعید الرحمان صاحب نے اس مسئلہ پہ تحریک التوا بھی داخل کر دی۔ یہ مسئلہ ایوان میں تحریک کی صورت میں سامنے آیا۔ تو اسے صدارتی فرمان کے اجراء تک دو چار دن تک ملتوی رکھا گیا۔ اس دوران جناب راجہ ظفر الحق صاحب وزیر اطلاعات و جناب وزیر قانون شریف الدین پیرزادہ صاحب کے ساتھ ڈرافٹ کو آخری شکل دینے کے سلسلہ میں ہم دونوں کا رابطہ برابر قائم رہا۔ کئی ڈرافٹ (مسودے) آخر وقت پر مزید قطعی وضاحت کے لئے ہم دونوں کی رائے پر تبدیل کرنے کی ان حضرات نے بڑی فراخدلی سے زحمت اٹھائی۔ بالآخر پیش نظر مسودہ پر مکمل اطمینان ہو جانے کی صورت میں نفاذ سے قبل رات کے ساڑھے گیارہ بجے جناب صدر پاکستان نے دستخط کئے۔ اور الحمدللہ کہ یہ دینی معاملہ قطعی طور پر طے پایا۔ ایوان میں جناب راجہ ظفر الحق صاحب وزیر اطلاعات نے (جن کا اس مسئلہ میں خاصا قابل تحسین کردار رہا) صدارتی فرمان سنایا تو ہم دونوں محرکین نے نہ صرف اس کی تحسین کی بلکہ آئندہ کے لئے اس سلسلہ میں مکمل احتیاط اور سازشی مکروہ عناصر پہ کڑی نگاہ رکھے جانے کی اپیل کی کہ کوئی شخص امت مسلمہ کے اس قطعی عقیدہ میں نقب نہ لگا سکے۔ اور ایک صدی کی مسلسل قربانیوں کے نتیجہ میں حاصل شدہ اس آئینی فتح کو ٹیڑھی نگاہوں سے نہ دیکھ سکے۔ خوشی کی بات یہ بھی تھی کہ اس نئے صدارتی آرڈی ننس پر مجلس شوریٰ کے تمام ارکان نے بالاتفاق "ہاں" کہہ کر مکمل اتفاق کا اظہار کر کے دوسری بار ملک کی ایک پارلیمنٹ نے قادیانی دجال کے دجل و تلبیس پہ مہر تصدیق ثبت کر دی ؛؛

اسلام آباد ۱۲/ اپریل - مولانا سمیع الحق اور مولانا قاری سعید الرحمان ہر دونوں جب اپنی اپنی تحریک التوا اس
سلسلہ پر پیش کر چکے تو وفاقی وزیر اطلاعات و قائم مقام وزیر قانون راجہ ظفر الحق نے قادیانیوں کے آئینی
STATUS کے بارے میں مجلس شوریٰ میں درج ذیل بیان دیا۔

راجہ محمد ظفر الحق (وزیر اطلاعات و نشریات) | جناب چیئرمین میں اتفاق کرتا ہوں اس تحریک سے کہ یہ مسئلہ
انتہائی اہم ہے اور مسلمانان عالم عمومی طور پر اور پاکستان کے مسلمان خصوصی طور پر اس مسئلہ کو وقتاً فوقتاً
اٹھاتے رہے ہیں۔ تاکہ اس کی آئینی پوزیشن متعین ہو جائے - اس سلسلہ میں قومی بحران بھی پیدا ہوئے اور اس کے
نتیجے میں ۱۹۷۴ء میں آئین میں ترمیم بھی کی گئی - اور جو بنیادی نوعیت کی ترمیم ہے وہ آئین کے آرٹیکل ۲۶۰ کے سب
آرٹیکل ۳ جس میں تمام مختلف شقوں کی تعریفیں ہیں اس میں یہ لکھا گیا (انگریزی متن)
اس کے بعد اس کے مختلف قوانین میں اس کے مطابق ترمیم ہونی تھی - اور آئین میں صرف صوبائی اسمبلی کی حد
تک اس میں ترمیم کی گئی تھی - آرٹیکل ۱۰۶ کے ذریعے - اس کے بعد یہ پروویژنل کانسٹی ٹیوشن آرڈر آیا - اور اس میں بھی
آئین کی بعض دفعات کو محفوظ کیا گیا - لیکن اس مسئلہ کا خصوصاً دو طریقوں سے اس کا اعادہ کیا گیا وہ اس
طرح سے کہ ایک تو اس کے آرٹیکل ۲ میں ۱۹۷۳ء کے آئین میں سے جن شقوں کو محفوظ کیا گیا ان میں یہ شق ۲۶۰
سب آرٹیکل ۳ (بی) محفوظ کی گئی - اور دوسرا ذریعہ اس کا یہ اختیار کیا گیا کہ اس عبوری آئین کے حکم کے آرٹیکل
"۱ے" میں جہاں مسلم کی تعریف ہے اسے دوبارہ دہرا دیا گیا ہے اور وہی الفاظ بعینہٖ جو آرٹیکل ۲۶۰ میں تھے
وہی پھر ان کو یہاں دوبارہ رکھ دیا گیا جو میں پڑھ کر سنا دیتا ہوں -
سو یہ تین طریقوں سے پروویژنل کانسٹی ٹیوشن آرڈر میں اس کو محفوظ کیا گیا کیونکہ یہ ایک قومی فیصلہ تھا اس
کے ساتھ پھر یہ ایک طریقہ کار ہے کہ تقریباً دس سال کے بعد وزارت قانون وہ شقیں - وہ قوانین - وہ ضابطے
وہ رولز جو کہ کانسٹی ٹیوشنلی ورڈ ہو جاتے ہیں اور پھر ان کے دوبارہ اعادے کی ضرورت نہیں رہی - ان کی طویل فہرست
بنا کر انہیں ختم کیا جا سکتا ہے - اس طویل فہرست میں وہ ترمیم جو صوبائی اسمبلی کے سلسلے میں تھی اس کو یہ سمجھا گیا
کہ اس کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں اور آئین کی اس شق کو پی سی او کے ذریعے سے بھی محفوظ
کیا گیا - اور خود پی سی او میں بھی دوبارہ لکھ دیا گیا - تو پھر اب اس کے اعادے کی اس قدر ضرورت پھر کانسٹی
ٹیوشنلی نہیں رہتی - لیکن اس مسئلہ کو پھر سیاسی مسئلہ بنانے کی کوشش کی گئی - لہٰذا جیسا کہ ایک حدیث مبارکہ
ہے (عربی) اِتَّقُوا مِن مَوَاضِعَ التُّہَم کہ ان مقامات سے بھی بچنا چاہیے - جہاں تہمت لگنے کا اندیشہ بھی ہو -
اس لیے اگر یہ ابہام پیدا کرنے کی ناجائز کوشش کی جا رہی ہے تو اس کو رفع کرنا بھی حکومت نے اپنا فرض سمجھا
اس لیے صدر مملکت نے کل رات کو ایک انتہائی واضح اور مکمل پریذیڈنشل آرڈر جاری کیا جو پریذیڈنشل آرڈر نمبر

AN AMENDMENT OF THE CONSTITUTION DECLARATION ORDER 1982. یہ ۱۹۸۲ء کا آرڈر ہے

اس میں اس ساری پوزیشن کو دوبارہ واضح کیا گیا ہے۔

جناب چیئرمین:۔ مہربانی کر کے آپ اسے پڑھ دیں۔

دستور میں ترمیم (استقرار) کا صدارتی فرمان ۲ مجریہ ۱۹۸۲ء

راولپنڈی ۱۲ اپریل۔ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے دستور کی ترمیم (استقرار) کا فرمان ۱۹۸۲ء جاری کیا ہے۔ فرمان کا متن حسب ذیل ہے۔

دستور کی ترمیم کے (استقرار) کا فرمان ۲ ۱۹۸۲ء۔ فرمان صدر نمبر ۸ مجریہ ۱۹۸۲ء

چونکہ دستور (ترمیم ثانی) ایکٹ ۱۹۷۴ء (نمبر ۴۹ بابت ۱۹۷۴ء) کے ذریعے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور ۱۹۷۳ء میں ترامیم کی گئی تھیں۔ تاکہ صوبائی اسمبلیوں میں نمائندگی کی غرض سے قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ کے اشخاص کو (جو خود کو "احمدی" کہتے ہیں) غیر مسلموں میں شامل کیا جائے۔ اور تاکہ یہ قرار دیا جائے۔ کہ کوئی شخص جو خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر مکمل اور غیر مشروط طور پر ایمان نہ رکھتا ہو یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس لفظ کے کسی بھی مفہوم یا کسی بھی تشریح کے لحاظ سے پیغمبر ہونے کا دعوے دار ہو یا ایسے دعوے دار کو پیغمبر یا مذہبی مصلح مانتا ہو۔ دستور یا قانون کی اغراض کے لئے مسلمان نہیں ہے۔ اور چونکہ فرمان صدر نمبر ۱۷ مجریہ ۱۹۷۸ء کے ذریعے منجملہ اور چیزوں کے قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں میں غیر مسلم بشمول قادیانی گروپ اور لاہوری گروپ کے اشخاص کی (جو خود کو "احمدی" کہتے ہیں) مناسب نمائندگی کے لئے حکم وضع کیا گیا تھا۔

اور چونکہ فرمان عارضی دستور ۱۹۸۱ء (فرمان سی۔ ایم۔ ایل۔ اے نمبر ۱ مجریہ ۱۹۸۱ء) نے مذکورہ بالا دستور کے ایسے احکام کو جو متعلقہ تھے اپنا جزو قرار دیا تھا۔

اور چونکہ مذکورہ بالا فرمان میں واضح طور پر لفظ "مسلم" کی تعریف کی گئی ہے جس سے ایسا شخص مراد ہے جو وحدت و توحید قادر مطلق اللہ تبارک و تعالیٰ، خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر مکمل اور غیر مشروط طور پر ایمان رکھتا ہو اور پیغمبر یا مذہبی مصلح کے طور پر کسی ایسے شخص پر نہ ایمان رکھتا ہو نہ اسے مانتا ہو جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس لفظ کے کسی بھی مفہوم یا کسی بھی تشریح کے لحاظ سے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا ہو یا جو دعویٰ کرے اور لفظ "غیر مسلم" سے کوئی ایسا شخص مراد ہے جو مسلم نہ ہو جس میں عیسائی۔ ہندو۔

ہندو، بدھ یا پارسی فرقہ سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ کا کوئی شخص (جو خود کو "احمدی" یا کسی اور نام سے موسوم کرتے ہیں) یا کوئی بہائی اور جدولی ذاتوں میں سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص شامل ہے اور چونکہ مذکورہ بالا دستور (ترمیم ثانی) ایکٹ ۴۹، ۱۹۷۴ء نے دستور میں مذکورہ بالا ترامیم شامل کرنے کا مقصد حاصل کر لیا تھا۔

اور چونکہ وفاقی قوانین (نظر ثانی و استقرار) آرڈیننس ۱۹۸۱ء (نمبر ۲۷ مجریہ ۱۹۸۱ء) مسلمہ دستور کے مطابق اور مجموعہ قوانین سے ایسے قوانین کو بشمول مذکورہ بالا ایکٹ نکال دینے کے مقصد سے جاری کیا گیا تھا جو اپنا مقصد حاصل کر چکے تھے۔

اور چونکہ جیسا کہ مذکورہ بالا آرڈیننس میں واضح طور پر قرار دیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا دستور یا دیگر قوانین کے متن میں جو ترامیم مذکورہ بالا ایکٹ یا دیگر ترمیمی قوانین کے ذریعے کی گئی ہیں۔ مذکورہ بالا آرڈیننس کے اجرا سے متاثر نہیں ہوئی ہیں۔

لہٰذا اب پانچ جولائی ۱۹۷۷ء کے اعلان کے بموجب اور اس سلسلے میں اسے مجاز کرنے والے تمام اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے صدر اور چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نے قانونی صورتِ حال کے استقرار اور اس کی مزید توثیق کے لئے حسب ذیل فرمان وضع کیا ہے۔

۱۔ مختصر عنوان اور آغاز نفاذ ۔ ۱۔ یہ فرمان، دستور کی ترمیم کے (استقرار) کے فرمان ۱۹۸۲ء کے نام سے موسوم ہوگا۔

۲۔ یہ فی الفور نافذ العمل ہوگا۔

۲۔ استقرار ۔ بذریعہ ہذا اعلان کیا جاتا ہے اور مزید توثیق کی جاتی ہے کہ وفاقی قوانین (نظر ثانی و استقرار) آرڈیننس ۱۹۸۱ء (نمبر ۲۷ ۔ مجریہ ۱۹۸۱ء) کے ذریعے مجموعہ قوانین سے دستور (ترمیم ثانی) ایکٹ ۴۹، ۱۹۷۴ء (نمبر ۴۹ بابت ۱۹۷۴ء) کی شمولیت سے جس کی رو سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور ۱۹۷۳ء میں مذکورہ بالا ترامیم شامل کی گئی تھیں۔

(الف) مذکورہ بالا ترامیم کا تسلسل متاثر نہیں ہوا ہے اور نہ ہوگا جو مذکورہ بالا دستور کے جزو کی حیثیت سے برقرار ہیں ۔ یا

(ب) قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ کے اشخاص کی (جو خود کو "احمدی" کہتے ہیں) غیر مسلم کے طور پر حیثیت تبدیل نہیں ہوئی ہے ۔ اور نہ ہوگی اور وہ غیر مسلم ہیں۔

از مولانا سمیع الحق

اسمبلی ہال شام، بجکر ۴۰ منٹ - ۱۲؍اپریل ۸۲ء

مسودہ قانون شفعہ پر مجلس شوریٰ میں کی گئی تقریر

قانون شفعہ کا مسودہ ایوان میں پیش ہونے پر ۱۰؍اپریل کو دن بھر اس مسئلہ پر گرماگرم بحث ہوئی۔ کہ اس مسودہ کو عوام کی رائے حاصل کرنے کے لئے مشتہر کیا جائے اور آئندہ کسی موقعہ پر اسے زیر غور لایا جائے مولانا سمیع الحق نے اس ضمن میں مختصر تقریر میں کہا ـــــ

جناب چیئرمین ۔ مولانا سمیع الحق

مولانا سمیع الحق ۔ یہ ایک اسلامی قانون کا مسودہ ہے اور یہ پہلا اسلامی قانون ہے جو اس ایوان میں آیا ہے اصولی طور پر مجلس شوریٰ کا اہم مقصد اس ملک میں اسلامی قانون نافذ کرنا ہے۔ اور اسی سمت میں یہ ایک اہم آئیٹم ہے مجلس شوریٰ کے لئے جو راہنما اصول مقرر کئے گئے ہیں ان میں یہ ہے کہ ہم نے اسلامی نظام کو تیز کرنے میں مدد دینا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس کے علاوہ دو اور اسلامی قانون قاضیوں کے کورٹ اور دیت و قصاص سے متعلق تھے وہ بھی اسٹینڈنگ کمیٹی کی نظر کرم سے مؤخر کر دئے گئے ہیں۔ اور اگر اب اس مسودہ کی تاخیر اور التوا کے لئے بھی آج تحاریک پیش کی جا رہی ہیں تو اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو یہ افسوسناک معاملہ ہوگا اور اس کا بڑا خراب اثر پڑے گا۔ ہماری حالت تو اسلامی نظام کے نفاذ کے بارہ میں یہ ہوگئی ہے کہ ؎

عمر دراز مانگ کے لائے تھے چار دن   دو آرزو میں کٹ گئے، دو انتظار میں

یہاں کچھ حضرات نے کہا ہے کہ اس مسودہ کو عوام کی استصواب رائے کے لئے مشتہر کیا جائے۔ اگرچہ یہ مقصد پہلے بھی حاصل ہو چکا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں، میں عرض کرتا ہوں کہ کیا ہمیں اسلام یہ حق دیتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کو نافذ کرنے کے لئے عوام سے اجازت لی جائے اور اس کے بارے میں عوام سے استصواب کریں۔ خدا اور رسولؐ کے طے شدہ قوانین اور احکام کے بارے میں اسلام ہمیں ہرگز یہ اجازت نہیں دیتا کہ ہم اس کے بارے میں عوام سے پوچھیں۔ ہمارے عوام بہت اچھے ہیں۔ لیکن اگر خدانخواسۃ عوام نے استصواب کے

نتیجے میں کسی اسلامی قانون کو مسترد بھی کر دیا تو کیا یہاں حاکمیت عوام کی ہے یا حاکمیت خدا تعالیٰ کی ہے۔ یہ عوام والی بات کے دَور سے تو ہم گذر چکے ہیں اور اس کا خمیازہ بھی ہم نے بہت بھگت لیا ہے۔ یہ اہم ترین مسئلہ ہے تو اس لحاظ سے میری گذارش یہ ہے کہ اسے اہم ترین مسئلہ سمجھا جائے۔ یہاں ایک بزرگ نے کہا تھا کہ یہ اسلام کا بنیادی مسئلہ نہیں ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اس میں جان مال اور جائیداد کے حقوق کے تحفظ اور اوروں کے ظلم و تعدی اور زیادتی سے بچنے کا سوال ہے۔ اسلام کی نگاہ میں مال اور جائداد کا تحفظ اور کسی کے ظلم و زیادتی سے بچانا اور بچنا یہ ایک اہم ترین بنیادی سوال ہے۔ تو اس لحاظ سے میں تمام ممبران سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ پوری گرمجوشی کے ساتھ اس مسودے کا خیر مقدم کریں۔ اور اس پر بحث کریں۔ یہ تاریخ میں پہلا مسودہ ہے جو صدیوں کے بعد اسلامی قوانین پر مبنی یہاں آیا ہے۔ آپ سب خوش قسمت ہیں کہ آپ کے سامنے ایسا مسودہ آیا ہے۔ اس میں اگر کچھ خامیاں، خرابیاں اور اختلافات بھی ہیں تو وہ ترامیم کی شکل میں پیش کی گئی ہیں یا پیش کی جائیں گی۔ اور ان کا ازالہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ ان معروضات کے ساتھ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ (رپورٹنگ وفاقی کونسل سیکرٹریٹ)

۱۷ اپریل کی شام کی نشست میں مولانا سمیع الحق نے شفعہ کے مسودہ پر تقریر کی وفاقی کونسل کے سیکرٹریٹ کی قلم بند شدہ تقریر حسب ذیل ہے ——— !

جناب چیئرمین۔ مولانا سمیع الحق صاحب۔

مولانا سمیع الحق۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

جناب چیئرمین۔ میں زیادہ تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا۔ کافی حضرات اس موضوع پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ اس شفعہ کے قانون کے بارے میں کچھ بنیادی نکتے اٹھائے گئے ہیں۔ ان کے متعلق کچھ عرض کروں گا۔ مجھ سے پہلے فاضل مقرر کا بنیادی نقطہ یہ تھا کہ قرآن مجید میں شفعہ کے بارے میں احکام نہیں ہیں۔ تو یہ ایک بنیادی غلط فہمی ہے۔ کہ شریعت اسلامیہ کا ماخذ صرف قرآن کریم ہے۔ حالاں کہ شریعت کا بنیادی ماخذ جس طرح قرآن ہے اسی طرح سنّت نبویؐ بھی ہے اگر ہم ہر چیز کو قرآن میں تلاش کریں گے تو ہمیں پانچ وقت کی نمازوں سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔ کسی آیت میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ شام کے تین رکعت فرض ہیں اور کسی آیت میں یہ نہیں کہ فجر کے دو ہیں اور عصر کے چار ہیں نہ ان مخصوص اوقات کا تفصیلات کے ساتھ ذکر ہے۔

سید سعید حسن:۔ جناب چیئرمین۔ میں نے یہ نہیں کہا ہے۔ معزز رکن کو نہیں پتہ۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ قوانین کے ماخذ قرآن، حدیث ......

مولانا سمیع الحق ۔ اسی طرح زکوٰۃ کی تفصیلات قرآن میں نہیں ہیں ۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح فرمائی ہے اور مقادیر بیان کئے ہیں ۔

چیئرمین ۔ مولانا میں آپ کو روکنا نہیں چاہتا کہ یہ بات کہی جا چکی ہے ۔

مولانا سمیع الحق ۔ تو جناب میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ چھوٹی سے چھوٹی بات جو حضور ؐ نے فرمائی اور ہمیں مستند طریقے سے پہنچ گئی اسے ہم قرآن کریم اور دین ہی کا حکم سمجھیں گے ۔ ایک چھوٹا سا مسئلہ ہے ۔ ایک صحابی سے ایک خاتون نے دریافت کیا کہ جسم کو کھرچ کھرچ کر اس میں رنگ بھرنے کا مسئلہ کیا ہے ۔ تو اس نے کہا یہ سختی سے منع ہے قرآن میں اس کا حکم موجود ہے ۔ اس خاتون نے کہا میں الف لام میم سے لے کر والناس تک قرآن کریم پڑھتی ہوں اس میں تو کہیں اس کا ذکر نہیں ہے اس چھوٹے سے مسئلہ کا ۔ اس نے کہا کہ لو قرأتیہ لوجدتیہ اگر تم نے قرآن غور سے پڑھا ہوتا تو اس حکم کو وہاں پایا ہوتا ۔ تو اس نے فرمایا کہ قرآن میں آیت کریمہ ہے ۔ ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا کہ جو حکم تمہیں رسول نے دیا اس پر سختی سے عمل کرو ۔ اور جن باتوں سے آپ نے منع کیا اس سے منع ہو جاؤ ۔ یہ ایک اصول ہمیں قرآن نے دیا ہے ۔ اب اس مسئلہ میں حضور ؐ نے جو رہنمائی دی ہے وہ بھی گویا قرآن ہی کا حکم ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ الحمد للہ قرآن کے ساتھ سنت کو بھی ہمارے آئین میں بنیادی ماخذ قرار دیا گیا ہے ۔ اس کے بعد چونکہ کچھ ارکان نے شفعہ کے سلسلہ میں واضح احادیث کا مطالبہ کیا ہے تو ایوان کے سامنے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ لانا چاہتا ہوں جن میں ان افراد کی تفصیل موجود ہے ۔ جنہیں حق شفعہ دیا گیا ہے ۔

سید سعید حسن ۔ جناب چیئرمین ۔ میں نے یہ کہا ہے کہ رسول کریم ؐ نے اگر کوئی فیصلہ اس قانون کے مطابق فرمایا تو وہ بھی حدیث ہے ۔ صرف یہ کہنا کہ انہوں نے فرمایا ۔ روایت ہے ۔ وہ فیصلہ نہیں ۔ میں نے فیصلہ کرنے کا حوالہ دینے کا ذکر کیا تھا ۔

جناب چیئرمین ۔ نہیں بس ۔ آپ اعتراض نہ کریں ۔ آپ اپنی بات کہہ چکے ہیں ۔

مولانا سمیع الحق ۔ جناب والا ۔ جائیداد میں شریک خلیط کا سب سے پہلا درجہ ہے ۔ اس کے بعد جو حقوق میں شریک ہے ۔ اس کا درجہ ہے ۔ تیسرے نمبر پر جار ہے یعنی پڑوسی ۔ تو یہاں سب سے پہلے میں شریک کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کرتا ہوں ۔ امام مسلم کی کتاب ہے اور صحیح بخاری کی طرح اس کا درجہ ہے ۔

عن جابر قال قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالشفعۃ فی کل شرکۃ لم تقسم ربعۃ او حائطاً لا یحل له ان یبیع حتی یوذن شریکه فان شاء اخذ و ان شاء ترك فان باعه ولم یوذنه فهو احق به (مسلم)

حضرت جابر ؓ نے فرمایا کہ حضور ؐ نے فیصلہ دیا شفعہ میں مشترک حصہ میں جب تک وہ تقسیم نہ ہوا ہو خواہ وہ مکان

ہو یا باغ تو اس میں شفعہ کا حق ہو گا شریک کو جو ملکیت میں شریک ہو۔ پھر اس میں قضی رسول اللہ کا لفظ ہے کہ صرف فرمایا نہیں بلکہ فیصلہ دیا حضورؐ نے قضی کا فیصلہ دینا ہے۔ جس کا ایک فاضل رکن نے مطالبہ کیا تھا۔ اسی طرح امام بخاری نے روایت نقل کی ہے۔

عن جابر قضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالشفعۃ فی کل مالم یقسم فاذا وقعت الحدود و صرفت الطرق فلا شفعۃ (بخاری)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلعم) نے شفعہ کا ہر اس چیز میں فیصلہ کیا جو ہنوز تقسیم نہ کی گئی ہو اور شرکت باقی ہو لیکن جب اس کی حدود متعین اور راستے علیحدہ علیحدہ ہو جائیں تو اب (بہ بنائے شراکت) شفعہ نہیں رہا۔

شفعہ ان تمام جائیدادوں میں ہے جب تک وہ تقسیم نہ ہوئے ہوں۔ آگے حضورؐ نے ایک جملہ فرمایا فاذا وقعت الحدود و صرفت الطرق فلا شفعۃ اگر چار بھائیوں کی مشترکہ زمین ہے۔ مثلاً انہوں نے اسے بانٹ دیا اور اس کی حد بندی کر دی یا حقوق میں اشتراک ہے اور راستے ایک کر دیئے گئے۔ پھر اس پر شفعے کا کوئی حق نہیں۔ اس سے ایک دوسری بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ دو بھائیوں میں زمین شریک تھی۔ اب اس ملکیت میں شراکت کی وجہ سے ان کو حق تھا شفعہ کا۔ لیکن جب زمین تقسیم ہو گئی۔ تو ان کا حق شفعہ نہیں رہا۔ اب اگر رشتہ داری کی وجہ سے بھی ان کو حق مل سکتا ہے۔ تو حضورؐ یہ نہ فرماتے کہ اب حق شفعہ نہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ دو سگے بھائیوں میں یا باپ اور بیٹے میں بھی اگر زمین تقسیم ہو گئی تو پھر (بر بنائے شراکت) شفعہ کا حق نہیں ہو گا۔ کیونکہ ملکیت اب شریک نہیں ہے۔ پھر جوار کی وجہ سے اگر وہ چاہے گا تو حق جوار کی وجہ سے اس کو شفعہ کا حق حاصل ہو گا۔ جس میں اجنبی اور رشتہ دار سب برابر ہیں۔ یہ تو شریک کے بارے میں حدیث ہے۔ اسی طرح جار کے حق شفعہ کو دیکھئے۔ امام ابو داؤد کی کتاب صحیح اور مستند ہے تمام مسلمانوں کے نزدیک اس میں حضورؐ سے روایت ہے کہ جار الدار احق بدار الجار والارض جو مکان کا پڑوسی ہے یا جو زمین کا پڑوسی ہے وہ اس پڑوسی ہونے کی وجہ سے حقدار ہے اگرچہ شریک فی الملک نہ ہو اور شریک فی الحقوق بھی نہ ہو مگر اس کا حق ہو گا۔ اب ترتیب کیا ہے تینوں کی، وہ بھی خود حضور اقدسؐ نے متعین فرما دی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ الشریک احق من الخلیط و الخلیط احق من الشفیع (او کما قال)

یہاں اجتہاد کی باتیں ہو رہی ہیں مگر یہ اجتہاد کی باتیں نہیں۔ اجتہاد تو وہاں ہو گا جہاں حضور اکرمؐ سے پوری رہنمائی نہ حاصل ہوتی ہو۔ تو حضورؐ نے تو سب کچھ فرما دیا حقدار اور ان کی ترتیب بھی متعین کر دی۔ کہ ملکیت میں شراکت دار جو ہو گا اس کا پہلا نمبر ہے خلیط سے۔ خلیط وہ ہے جس کے صرف حقوق ہوں۔ پھر فرمایا کہ الخلیط احق من الشفیع جب خلیط اور پڑوسی کا مقابلہ آئے گا تو جو حقوق میں شریک ہے جو ملکیت میں

شریک ہے ان کا حق پہلے ہوگا۔ اس کے بعد جو جوار والا ہے اس کا حق ہے۔ اسی طرح سنن اربعہ ابوداؤد ترمذی وغیرہ حدیث کی کتابوں میں حضرت جابرؓ سے یہ روایت مذکور ہے۔

عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم الجار احق بشفعۃ جارہ ینتظر بہا و ان کان غائبًا اذا کان طریقہما واحدًا (ابوداؤد۔ مسند احمد ترمذی۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پڑوسی اپنے شفعہ کا زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔ اگر وہ غائب (غیر موجود) ہو تو شفعہ کے لئے اس کا انتظار کیا جائے۔ مگر یہ شفعہ اس وقت ہوگا جب کہ دونوں ہمسایوں کا راستہ ایک ہو

جو پڑوسی ہے اور اس کا تیسرے نمبر پر حق بنتا ہے تو اب وہ حقدار ہوگا اجنبی لوگوں سے۔ رشتہ داروں سے اور مختلف طبقے کے لوگوں سے اس کا انتظار کیا جائے گا۔ اگر وہ موجود نہ ہو۔ ینتظر بہا وان کان غائبًا آگے یہ بھی فرمایا کہ جب راستہ ایک ہے تو اسے ترجیح دی جائے گی۔ دوسری روایت حضرت ابورافعؓ کی ہے جو ایک جلیل القدر صحابی ہیں ان سے روایت ہے۔

عن ابی رافع مولی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول الجار احق بسقبہ قیل یا رسول اللہ ماسقبہ قال شفعتہ۔ یعنی پڑوسی اس زمین کا قریب اور نزدیک ہونے کی وجہ سے زیادہ حقدار ہے صحابہ نے سقب کے بارہ میں دریافت کیا تو فرمایا کہ اس سے مراد شفعہ میں اس کا استحقاق ہے وہ قرب کی وجہ سے زیادہ حقدار ہے۔

اسی طرح ترمذی میں روایت ہے الجار احق بشفعتہ یہ میں نے مختصراً حضورؐ کی یہ چند روایات پیش کیں کہ حضورؐ نے ان تین شفعا ہی میں حق شفعہ کو مخصوص اور محدود اور محصور کیا۔ اب ایک سوال یہ اٹھایا گیا جس وقت یہ مسودہ عوام میں مشتہر کر دیا گیا تھا کہ ان تینوں میں ہم کیوں محدود کریں جب کہ اوروں کی صریح مخالفت تو نہیں جناب والا یہاں مختلف حضرات تقریریں کرتے ہیں ان کی تمہید عجیب جوش وخروش کی ہوتی ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری تائید کی طرف آرہے ہیں۔ دلائل ہمارے حق میں دیتے ہیں۔ اور آخر میں یک دم پلٹ جاتے ہیں ان کی تقریروں میں تضادات ہوتے ہیں یہ لوگ چاہتے کیا ہیں؟ شفعہ کے اس مسئلے میں کوئی ابہام، کوئی پریشانی ہے ہی نہیں۔ کبھی وہ کہتے ہیں کہ یہ ان تین سے بھی زیادہ کو دیا جائے۔ کچھ حضرات کہتے ہیں کہ ان تین سے بھی کم کر کے ان کو محدود کیا جائے۔ تو سمجھ نہیں آتی کہ یہ ابہام اور پریشانیاں کس چیز سے پیدا ہوگئی ہیں اب کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ چونکہ حضورؐ نے اوروں کی نفی تو نہیں کی اور انّما کا کلمہ نہیں آیا۔ حالاں کہ یہ ایک علمی اصطلاح ہے اور قواعد لغت کی وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ کلمہ حصر نہیں ہے۔ یعنی حضور اقدس نے یہ تو نہیں فرمایا انّما الشفعۃ للشریک الخ

کہ شفعہ ان تین تک محدود رہے۔ کیونکہ انّما حصر کا ہے اور وہ کلمہ نہیں اوروں کو بھی ملنا چاہئے۔ اور ان لوگوں نے دلیل پیش کی ہے کہ جیسے آیت زکوٰۃ میں ہے کہ انّما الصدقات للفقراء۔ مصارف زکوٰۃ اللہ تعالیٰ نے انّما کے کلمہ سے مخصوص کر لئے ہیں۔ اب جو آٹھ مصارف ہیں اب ان میں ہم نویں اور دسویں مصرف کا اضافہ نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ ان لوگوں کی غلط فہمی ہے۔ ایک چیز کو محصور کرنے کے لئے انّما کا حرف اور حصر کے کلمات ضروری نہیں ہوتے الف لام اختصاص وہ بھی تخصیص کے لئے آتا ہے جیسے الحمد للہ ہے اب اس کا معنی یہ ہے کہ حمد اور تعریف وستائش ساری اللہ کے لئے ہے کسی اور کو ہم حمد میں شریک نہیں کر سکتے۔ ورنہ وہ کفر ہو جائے گا۔ حالاں کہ انّما تو نہیں۔ اب الحمد میں "ل" اختصاص کے لئے ہے۔ اسی طرح بعض اوقات ایک جملہ کا مقام موخر ہو جاتا ہے اور اس کو مقدّم کر لیا جاتا ہے وہ بھی حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ اور تخصیص ثابت کرتا ہے مثلاً نعبدُ ایاک ہونا چاہئے تھا نماز میں۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں مگر وہاں یہ کہا کہ ایّاک نعبد ہم خاص تیری عبادت کرتے ہیں۔ اور کسی اور کی نہیں کر سکتے۔ یہ حصر کس چیز سے ثابت ہوا۔ کسی جملہ کا حق دوسری جگہ تھا لیکن وہاں سے پہلے آیا اور اس کو پہلے کر دیا۔ یہ تقدیم ما حقہ التاخیر کہلاتا ہے۔ اسی طرح اگر میں کہوں کہ نہیں آیا اس ایوان میں مگر زید تو یہ استثناء بھی حصر کے لئے مفید ہو گیا۔ ما جاءنی من القوم الازیدؐ اور پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضور اقدسؐ کے زمانہ میں جب سارے حالات آپ کے سامنے تھے۔ حضورؐ اور صحابہؓ کے رشتہ دار بھی تھے اور مختلف طبقے موجود تھے۔ آپ کو پتہ تھا کہ تکلیف لاحق ہو سکتی ہے۔ مگر شفعہ کا حق ان لوگوں کو نہ دیا۔ آج کہا جاتا ہے کہ شفعہ کی وجہ یہ ہے کہ دوسروں کو نقصان سے بچایا جائے یعنی دفع ضرر مقصود ہے مگر یہ بھی ایک علمی اصطلاح ہے اسے حکمت کہتے ہیں۔ علت نہیں کہتے۔ دفع ضرر حکمت ہے اور علّت اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم ہے یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ حکمت کے طور پر ایک چیز پیش کر دے مگر وہ علت نہیں ہوتی حکمت و مصلحت ہوتی ہے۔ علت ہوتی تو ہم دفع ضرر کو عام کر دیتے۔ اس کی مثال ایسی ہے مثلاً جیسا کہ قرآن پاک میں کہا گیا کہ ایک مرد کی گواہی دو عورتوں کی گواہی کے برابر ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے وجہ بھی بیان کر دی کہ شاید ایک خاتون بھول جائے تو دوسری اسے یاد کرا سکتی ہے۔ فتذکر احداھما الاخریٰ۔ مقصد بھول سے بچنا ہے۔ وہ مقصد حاصل ہو گیا۔ اب اگر ایک خاتون بڑی عالم ہے اس کا حافظہ مسلّم ہے۔ ہمیں پتہ ہے کہ وہ نہیں بھولتی تو اس قانون کو بدل تو نہیں سکتے۔ کہ اس ایک کی شہادت مرد کے برابر ہو جائے۔ وجہ یہ ہے کہ اس کو حکمت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نماز پڑھو تا کہ تم متقی ہو جاؤ۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نماز نہیں پڑھتا اس لئے کہ میں متقی نہیں بن سکتا اس لئے نماز ہی چھوڑ دوں۔ نماز کی علت اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ حضورؐ کے زمانہ میں بھی یہ خطرات اوروں نے ظاہر کئے ہوں گے۔ لیکن حضورؐ نے کسی کو یہ حق نہیں دیا۔ حضورؐ کی نظر بڑی وسیع تھی۔ اور شفقت بھی سب سے

بڑھ کر تھی۔ اب اگر ہم اس موضوع کو لیں کہ ضرر سے بچانا مقصود ہے تو پھر میرے خیال میں جو قوانین شفعہ پچھلے انگریزی دور کے جاری ہیں کے تحت ایک دکاندار اور کرایہ دار کو بھی حق ملنا چاہیئے کیونکہ اس کو بھی ضرر ہے اگر وہ دکان خالی کرتا ہے تو اس کو ضرر پہنچتا ہے۔ اس کو کیوں نہ حق شفعہ دیا جائے۔ یا اگر کوئی کرایہ دار ہے تو وہ مکان خالی کرتا ہے تو اس کو بھی ضرر پہنچ سکتا ہے۔ آپ ایک ملازم رکھتے ہیں اور پھر اپنا کاروبار چھوڑ دیتے ہیں تو اس ملازم کو بھی حق ہوگا؟ اسی طرح میں نے زمین بیچی تھی آج اس کا دوسرا مالک ہے اس نے تیسرے کو بیچ دی تو پہلا مالک یہ کہہ سکتا ہے کہ میرا بھی حق ہونا چاہیئے۔ کیونکہ میں بھی کسی وقت اس زمین کا مالک تھا اس طرح یہ سلسلہ بڑا طویل ہو جائے گا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ پھر مزارعین کو حق دینے کا مسئلہ ہے تو سوال یہ ہے کہ یہ کس طرح فرض کر لیا گیا کہ اگر میں نے زمین بیچ دی تو اس سے مزارع کو نقصان پہنچے گا اور مشتری لازماً مزارع کو بے دخل کر دے گا۔ اگر مزارع محنت کرتا ہے دیانتدار اور با اصول ہے تو جس طرح میں نے اسے رکھا تھا اسی طرح دوسرا خریدار بھی اس کی ایمانداری کی وجہ سے اسے رکھ لے گا۔ محنتی اور ایماندار ملازم کی تلاش تو ہر وقت رہتی ہے لیکن اگر وہ محنت نہیں کرتا تو پھر تو مالک کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسے نکال سکتا ہے۔ اسلام کی نظر میں مالک کو بھی ضرر سے بچانا ضروری ہے۔ اور ملازم کو بھی بچانا ضروری ہے۔ ضرر سے سب کو بچانا مقصود ہے۔ ایک طبقہ کو نہیں۔ قانون میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کسی خاص فرد کا کیا ہوگا۔ کسی ایک طبقے کا کیا بنے گا۔ مفاد عامہ کو دیکھا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر آپ ایک مجرم کو ۱۴ سال کی سزا دیتے ہیں اور اسے جیل میں ڈال دیتے ہیں۔ تو پھر آپ کو یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ اس کے اہل و عیال پر کیا گزرے گی۔ وہ بھوکے پیاسے رہیں گے۔ ان کا کوئی کفیل نہیں ہوگا۔ پھر آپ کو یہ کہاں حق ہے کہ آپ اس کو جیل میں ڈالیں۔

ایک شخص قتل کرتا ہے اور اسے قصاص میں قتل کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ آپ یہ نہیں دیکھیں گے کہ اس کے خاندان کا کیا بنے گا۔ اور انہیں کتنے مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مفاد عامہ کو دیکھا جاتا ہے۔ پھر تو آپ چور کے ہاتھ بھی نہیں کاٹ سکتے کیونکہ اس کے اہل و عیال بھوکے رہیں گے اور اس کو ساری زندگی تکلیف پہنچے گی۔ تو قانون مفاد عامہ کے لئے بنایا جاتا ہے۔

یہاں ایوان میں مزارع اور غیر مزارع، رشتہ دار اور فلاں اور فلاں یہ ایک سسٹم بن گیا ہے کہ گویا شریعت نے کوئی رہنمائی کی ہی نہیں۔ حالانکہ فقہ میں تمام تفصیلات موجود ہیں۔ خلافت راشدہ اور خلافت عباسیہ میں کئی کئی منزلہ مکانات اور عمارتیں موجود تھیں۔ یہ کوئی مسئلہ نہیں کہ آج اٹھایا جائے۔

دوسری گذارش یہ ہے کہ یہ تین طبقے ہر دور میں شفعہ کے حقدار رہے ہیں۔ حضور سے لے کر انگریزی

دور کے آخر تک کسی قانون میں کسی دورِ حکومت میں۔ خلافت عباسیہ۔ خلافت عثمانیہ۔ اور ہندوستان میں خلافت مغلیہ میں کسی دور میں یہ حق نہیں دیا گیا۔ حضورؐ نے جو حق دیا اس پر تمام صحابہ کرام اور ائمہ کرام نے اتفاق کیا۔ اسے کہتے ہیں تعامل امت۔ اب اگر ایک امام نے جار کے حق کی مخالفت کر بھی لی لیکن دوسرے متفق ہیں۔ اور مجموعی طور پر سب ائمہ ان تین ہی کے حق شفعہ پر متفق ہیں۔ اس کو اصطلاح میں اجماع مرکب کہتے ہیں کہ ان تین سے زیادہ پر کسی کا اختلاف نہیں۔ پھر صحابہؓ کا دور آیا۔ ائمہ کرام کا دور آیا۔ اہل بیت کا دور آیا لیکن کسی کو یہ حق نہیں دیا گیا۔

بہرحال میں اپنی باتیں سمیٹ کر عرض کروں گا۔ کہ یہاں حاجی سیف اللہ صاحب نے ایک بات کہی اور مجھے افسوس ہے کہ ایسا نہیں کہنا چاہئے تھا۔ اگر ہر مسئلہ میں شریعت اور قانون میں فرقہ وارانہ اختلافات کو ابھارا جائے گا۔ تو کوئی مسئلہ حل نہیں ہو گا۔ توجیہات اور تشریحات میں اختلافات ہو سکتے ہیں یہ تو آپ کے قانون دان حضرات اور وکلا بھی ایک مقدمہ میں متفق نہیں ہو سکے۔ جج صاحبان مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہیں تو ہر ایک کا فیصلہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ پھر تو آپ اس سارے نظام عدل کو دریا میں ڈال دیں پھر تو آپ عدالتی نظام چلا ہی نہیں سکتے۔ تو اصول میں کبھی اختلاف نہیں رہا۔

ہمارے پاس اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ آئی ہے۔ اس کونسل میں شیعہ علماء۔ بریلوی اور دیوبندی علماء۔ جج وکلاء اور جدید عالم موجود تھے۔ ان سب نے متفقہ طور پر یہ رپورٹ پیش کی۔ شیعہ اور سنی حضرات کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مجھ سے خود شیعہ عالم علامہ رضی نے کہا کہ ہم نے ایسا کوئی اختلافی جملہ نہیں کہا۔ ہم سنی تو ان باتوں میں بڑے وسیع النظر ہیں۔

اس وقت ہمارے سامنے اسلامی فقہ کی عظیم کتاب ہدایہ ہے جس کا انگریزی ترجمہ یورپ میں پڑھایا جاتا ہے۔ اس میں تمام تفصیلات موجود ہیں۔ کہ حق شفعہ کس کو ہے کس کو نہیں ہے۔ منقولہ جائیداد میں ہے یا غیر منقولہ جائیداد میں ہے۔ پانی کی صورت کیا ہو گی۔ نفٹوں کا نظام کیا ہو گا۔ اور ساری وضاحتیں اس میں موجود ہیں۔ مثلاً تین منزلہ عمارت کی صورت میں ایک شخص نچلی منزل پر رہتا ہے۔ اوپر والی منزل کا راستہ تیسری منزل پر ہے۔ ان کی سیڑھیاں تیسری منزل والے پر آتی ہیں اور دوسری والے کی سیڑھیاں الگ راستہ پر ہوں تو شفعہ کا حق وہ کہتے ہیں کہ پہلے والے کو ہو گا۔ اگر نیچے والے نے بیچ دیا تو پہلے والے کو ہو گا۔ اور اگر اوپر والے نے بیچ دیا تو نیچے والے کو ہو گا۔ درمیان والا متصل ہے۔ لیکن وہ چونکہ جار ہے، پڑوسی ہے تو حقوق میں شریک نہیں ہے اس کا نمبر تیسرا ہے۔ تو یہاں ایک جملہ اختلاف کا کہا گیا۔ ہمارے اسلام کے قوانین کی نظروں میں فروعی اختلافات اور فرقے نہیں ہوتے۔ یہاں تک کہ مسلم اور غیر مسلم کی تمیز بھی نہیں کی جاتی۔ میرے سامنے ہدایہ کی کتاب ہے میں اس کتاب سے ایک

جملہ پڑھ کر سناتا ہوں۔

والمسلم والذمی فی الشفعۃ سواء

اور مسلمان اور غیر مسلم شفعہ کے تمام حقوق میں برابر ہیں۔ اگر ایک عیسائی ہمارے پڑوس میں ہے اور جار کی ساری سہولتیں اسے حاصل ہیں اور دوسرا جو کہ مسلمان ہے اور ایک ڈگری درجہ اس کو بعد میں رہا ہے تو اس کو حق نہیں ہوگا۔ عیسائی کا درجہ پہلے ہوگا۔ کیونکہ احکام عام ہیں سبب جو شفع کا ہے اس میں مسلمان اور غیر مسلم برابر ہیں۔ الا ایب ہدایہ کا قول ہے للعمومات ولا نہما یستویان فی السبب والحکمۃ فیستویان فی الاستحقاق اس لئے دونوں استحقاق میں برابر ہیں۔ اس سے قبل ایک دوست نے اسلام میں غلامی کی بات چھیڑ دی تھی۔ یہ عجیب بات ہے کیا یہ غلامی اسلام کے لئے ایک دھبہ ہے؟ بات شفعہ کی ہوتی ہے کوئی غلامی کا مسئلہ چھیڑتا ہے۔ کل کوئی کہے گا کہ اس زمانے میں حرمت خمر کی بات، کوئی کہے گا کہ اس زمانے میں مخلوط ڈانس کی بات؟ (زوردار تالیاں) بھائی! اسلام نے غلاموں کو آسمان تک پہنچا دیا ہے۔ اسلام نے غلامی کو ختم کیا۔ اس شفعہ کے مسئلہ کو لیجئے اسی ہدایہ کا ایک اہم جملہ شفعہ کے سلسلہ میں آتا ہے کہ ولھذا یستوی فیہ الذکر والانثی والصغیر والکبیر والباغی والعادل والحر والعبد اذا کان ماذونا او مکاتبا اور چھوٹا اور بڑا اس کے حق میں برابر ہیں اور سننے کی بات آگے ہے کہ آزاد انسان اور غلام انسان بھی اس میں بالکل برابر ہیں۔ یعنی اسلام نے تو غلام کو بھی ان تمام قوانین میں حر کے برابر حق دیا ہے۔ تو جناب میں ان گذارشات کے ساتھ، کیونکہ کافی تفصیلات بیان ہوئی ہیں اپنی تقریر ختم کرتا ہوں

جناب مولانا اخوندہ زادہ عبدالقیوم فاضل دارالعلوم حقانیہ

ائمہ اربعہؒ کے بعد اجتہاد مطلق

پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین جناب چیف جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب کا مقالہ "اجتہاد" کے عنوان سے زرعی یونیورسٹی پشاور میں پڑھا گیا پھر روزنامہ نوائے وقت کے ملی ایڈیشن ۲۵ر دسمبر ۱۹۸۱ء کو اشاعت پذیر ہوا۔

جناب ڈاکٹر صاحب کو اعتراف ہے کہ

" اسلام کے ابتدائی دور میں تین چار صدیوں تک ایسے فقہا موجود رہے ہیں جو" اجتہاد مطلق" کی صلاحیت و قابلیت سے آراستہ تھے۔ لیکن بعد کے ادوار میں منظم مکاتیب فقہ کے فکری تسلط کے باعث "مطلق اجتہاد" کی صلاحیت ختم ہوگئی۔ اور اجتہاد مطلق کا دروازہ بند ہوگیا"

اجتہاد کی یہ نوع مخصوص (اجتہاد مطلق) جو استنباط علل و اجتہاد فی الدین سے تعلق رکھتی ہے کا دروازہ اس لئے بند کردیا گیا ہے کہ فی الواقع اس کی ضرورت ہی نہیں پائی جاتی۔ ائمہ کرام نے اپنی خداداد عظیم صلاحیتوں سے اجتہاد کی اس نوع کو اس حد تک مکمل کردیا ہے کہ آئندہ اس سے نفع اٹھانے کی صورت تو باقی رہ جاتی ہے مگر اس میں مزید تحقیق و تلاش کا موقعہ باقی نہیں رہتا۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ

" یہ ایک قدرتی اصول ہے کہ جو مقصد دنیا میں مکمل ہوجاتا ہے اس کی متعلقہ قوت بھی ختم کردی جاتی ہے" (اجتہاد و تقلید)

مولانا اعزاز علی صاحبؒ کنز الدقائق کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ

" علامہ ابن صلاح تحریر فرماتے ہیں کہ اجتہاد مطلق تین سو سال سے بند ہوچکا ہے۔ (جب کہ علامہ ابن صلاح ساتویں ہجری میں گذرے ہیں۔ تو گویا اجتہاد مطلق چوتھی صدی ہجری سے بند ہوچکا ہے)

علامہ ابن صلاح نے بعض اصولیین سے یہاں تک نقل کیا ہے کہ

" امام شافعی کے بعد کوئی مجتہد مستقل نہیں ہوا"

یہاں پر اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ جب ائمہ کرام نے اہمات مسائل کو تحقیقی تنقیح کے بعد باب وار

مدّون فرما دیا۔ تو قدرتی عوامل کے تحت وہ خاص قوت فہم بھی گھٹنی شروع ہوگئی۔ کیونکہ اب اس کی ضرورت ہی باقی نہ رہی تھی۔ اس لئے اجتہاد کی وہ نوع جس کا تعلق استخراجِ علل و استنباط مسائل سے ہے خود بخود ختم ہوگئی۔

مگر اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین مندرجہ بالا اعتراف کے باوجود اپنے اسی مقالہ میں تحریر فرماتے ہیں۔
"مطلق اجتہاد" کا دروازہ درحقیقت سیاسی اسباب کی بنا پر بند کیا گیا تھا"
ذرا آگے چل کر مزید لکھتے ہیں :۔

گذشتہ دس صدی کے دوران صرف ایک ممتاز فقیہہ ایسا پیدا ہوا جو بجا طور پر یہ حق رکھتا ہے کہ "مجتہد مطلق" ہونے کا دعوٰی کرے اور اس نے یہ دعوٰی کیا یعنی امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۲۸ھ"۔
اس کے بعد آں محترم اپنے مقالہ میں ابن تیمیہ کے بعد دوسری اور تیسری شخصیت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور علامہ اقبال کو قرار دیتے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہؒ۔ شاہ ولی اللہؒ اور علامہ اقبال اپنی اپنی جگہ عظیم علمی اور روحانی شخصیتیں ہیں۔ ہمیں اس وقت ان کی علمی خدمات اور دینی مقام سے بحث نہیں کرنی۔ بلکہ بتانا یہ ہے کہ جب اجتہاد مطلق کا دروازہ ہی بند ہوگیا اور اس کی صلاحیت بھی مفقود ہوگئی تو اب کسی کو یہ حق دینا کہ وہ اجتہاد مطلق کا دعوٰی کرے۔ اور اگر وہ دعوٰی کرے تو اسے تسلیم بھی کر لیا جائے۔ بہت بڑے اور عظیم مفاسد کا پیش خیمہ اور دین و شریعت کے اصولوں کو بازیچۂ اطفال بنانے کے مترادف ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

روایت و درایت کو مزید تکمیل کی حاجت نہیں

۱۔ اسلام میں روایت و درایت (جن کا تعلق حفظ اور فہم سے ہے) کو دو بنیادی ستونوں کی حیثیت حاصل ہے۔ روایتی حصہ کی تکمیل کے وقت اللہ تعالٰی نے حضرات محدثین کو کرامتاً اور خرقِ عادت کے طور بے پناہ قوتِ حافظہ سے نوازا۔ کہ ایک ایک محدث کو لاکھوں کی تعداد میں احادیث، متونِ حدیث، اسانید و رجال۔ ان کے اسماء۔ سوانح اور صفات ازبر ہوتے تھے۔ ان ہی کے سینوں سے مدّون و منضبط ہوئے۔ جب محیرالعقول قوتِ حافظہ کا کام پورا ہوگیا (جو اس امت کو بطور اعجاز دیا گیا) تو قدرتی عوامل کے تحت وہ قوتِ حافظہ بھی گھٹتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ آج جنسِ حافظہ کے موجود ہونے کے باوجود، وہ قوتِ حافظہ مفقود ہے۔

۲۔ جب اسلام کے درایتی حصہ کی تکمیل شروع ہوئی تو باری تعالٰی نے امت میں ایسے ارباب درایت و فقہ اور ائمہ اجتہاد پیدا فرمائے کہ انہوں نے من اللہ کرامتاً اور خرقِ عادت کے طور پر قرآن و حدیث سے نہ صرف یہ کہ مسائل کا استنباط کیا بلکہ وجوہ استنباط۔ کیفیت استنباط اور جزئیات کے کلیات سے

ارتباد پر علیٰ وجہہ البصیرت روشنی ڈالی۔ جب دین کا فقہ ائمہ کرام کے ہاتھوں اپنی مکمل صورت میں باب وار مدّون ہوگیا تو قدرتی عوامل کے تحت وہ خاص قوت فہم بھی گھٹتی ہی چلی گئی۔ حتیٰ کہ آج نہ تو اجتہاد مطلق کی ضرورت باقی رہی اور نہ ہی ویسی فہم نصیب ہوئی۔ لہٰذا اسلام کے ہر دو بنیادی ستونوں روایت و درایت کو مزید کسی تکمیل کی حاجت باقی نہیں رہی۔

ملکۂ اجتہاد وہبی ہے کسبی نہیں! اس عنوان پر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے تفصیل سے لکھا ہے تلخیصاً پیش خدمت ہے :۔

یہ فہم (اجتہاد) کوئی اکتسابی چیز یا فن نہیں ہے جسے محنت سے حاصل کر لیا جائے۔ بلکہ وہ ملکہ ایک عطا الٰہی ہے جو خاص خاص افراد امّت کو عطا ہوتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جیسے رسالت و نبوت کوئی فن نہیں کہ جس کا جی چاہے محنت کرکے نبی بن جائے۔ چنانچہ قرآن میں رسالت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

الله اعلم حیث یجعل رسالتہ — اللہ ہی بہتر جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھتا ہے

صاحب فہم و صاحب علم اسرار و حقائق کے بارہ میں حضرت خضرؑ کا واقعہ ارشاد فرمایا

وعلمناہ من لدنا علما — ہم نے انہیں (خضرؑ) اپنے پاس مخصوص علم دیا۔

غرض دونوں امور یعنی علم نبوت و علم حقیقت کو اپنی طرف منسوب فرما کر اشارہ فرما دیا گیا ہے۔ کہ علم کا یہ مرتبہ اکتسابی نہیں بلکہ موہبت خداوندی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرن اول میں جب اجتہاد و قیاس کا دروازہ کھلا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ میں سے بعض کے اجتہاد کو قبول فرمایا۔ اور بعض کے اجتہاد کو رد فرمایا۔ جس کی نظیر ابو داؤد میں زخم رسیدہ شخص کو احتلام کی بنا پر صحابہؓ کا غسل دینا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ناگواری کا اظہار کرنا ہے۔ یا بخاری میں عدی بن حاتم کا واقعہ کہ انہوں نے قرآن کے الفاظ " خیط ابیض اور خیط اسود " سے سیاہ و سفید ڈورے سمجھ لئے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برنگ مزاح " تمہارا تکیہ بڑا لمبا چوڑا ہے " فرما کر ان کے اجتہاد کو رد فرما دیا۔

جب صحابہؓ میں نہ ہر ایک مجتہد ہے اور نہ ہر ایک کی رائے و قیاس پایۂ اعتبار تک پہنچ سکتی ہے جب تک وہبی طور پر فہم و ذوق کا ملکۂ خاص عطا نہ ہو جو شارع کی نظر میں متعین ہے۔ تو آج کس طرح ہر ایک کا فہم معتبر اور حد اجتہاد تک پہنچا ہوا تسلیم کر لیا جائے (اجتہاد و تقلید ملخصاً)

بہرحال بتایا یہ جا رہا ہے کہ دین میں نص نہ ہونے یا متعین الوجہہ نہ ہونے یا غیر معلول نہ ہونے کی صورت میں اجتہاد و قیاس جائز ہے جب کہ اس کے لئے افراد من اللہ منتخب اور مخصوص ہوتے ہیں ہر کس و ناکس اس کا

اہل نہیں۔

ہمیں تعجب ہے کہ جب اجتہادی قوت کا ملکہ بھی نہیں رہی ہے اور چوتھی صدی سے نہ اجتہاد مطلق کی ضرورت رہی اور نہ وہ صلاحیت۔ جب کہ جناب چیئرمین اسلامی مشاورتی کونسل کو بھی اس بات کا اعتراف ہے تو پھر ان کو آخر اس بات کی ضرورت کیوں پڑی کہ آٹھویں صدی کے افراد کو مجتہد مطلق ہونے کے دعوٰی کا مستحق قرار دیا جاتے اور انہیں یہ شہ سرخی باندھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی کہ

"مطلق اجتہاد" کا دروازہ درحقیقت سیاسی اسباب کی بنا پر بند کر دیا گیا تھا"

مجتہد مطلق کی دو قسمیں | حضرت علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی عقد الجید ص۵ پہ تحریر فرماتے ہیں کہ رافعیؒ نوویؒ وغیرہ بہت سے حضرات نے تصریح کی ہے کہ "مجتہد مطلق" کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ مجتہد مستقل۔ ۲۔ مجتہد منتسب۔

اور ان کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے مجتہد مستقل تین چیزوں میں ممتاز ہوتا ہے۔

۱۔ اصول میں تصرف کر سکتا ہے جس پر اس کے مذہب کی بنا ہے۔

۲۔ آیات، احادیث اور آثار کا تتبع کرتا ہے ان مسائل کے لئے جو اس کو درپیش ہیں اور ان میں متعارض دلائل میں سے راجح کو اختیار کرتا ہے اور ان ادلہ کے ماخذ پر متنبہ کرتا ہے۔

۳۔ ان نئے مسائل میں کلام کرتا ہے جن میں اب تک کلام نہیں ہوا ہے ان میں ادلہ کی روشنی میں۔

مجتہد منتسب وہ ہوتا ہے جو اصول میں شیخ کا تابع ہو اور تتبع ادلہ میں شیخ کے کلام سے اکثر مدد لیتا ہو اور وہ اس کے باوجود احکام کو دلائل سے جانتا ہو اور ان ادلہ سے احکام مستنبط کرنے پر قادر ہو۔

جو ان دونوں سے نیچا ہو مجتہد فی المذہب کہلاتا ہے وہ اپنے امام کا مقلد ہوتا ہے جس مسئلہ میں امام کی تصریح مل جائے لیکن وہ اپنے امام کے قواعد سے واقف ہوتا ہے جن سے امام نے مسائل کا استنباط کیا۔ تو اگر ایسا مسئلہ پیش آتا ہے جس میں امام کی کوئی نص نہیں ملتی تو وہ اپنے امام کے قواعد پر اجتہاد کر لیتا ہے اور مسائل کی تخریج کرتا ہے اس کے قواعد پر اور ان سب کے اخیر کا درجہ فی الفتیا کا ہے۔ وہ اپنے امام کے مذہب کا متبحر ہوتا ہے اور ایک قول کو دوسرے پر ترجیح دینے سے قادر ہوتا ہے۔ انتہیٰ

اجتہاد کے مرتبہ تک رسائی | مولانا اعزاز علی صاحب کنز الدقائق کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ اجتہاد کے شرائط بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

یہی شروط مجتہد کا آلہ ہیں جو ان کے بغیر اجتہاد کا دعوٰی کرے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بغیر سیڑھی آسمان پر چڑھنے کا دعوٰی کرے۔ اس کے بعد ضروری ہے کہ اس کو ان علوم کی ممزاولت اور ادلہ

میں تامل کرنے کی وجہ سے ایسا ملکہ پیدا ہوجاتے کہ جس سے وہ استنباط احکام ادلہ سے کرسکے۔ اور اس ملکہ کے بعد بھی ضروری ہے کہ وہ قواعد وضع کرے جن پر استنباطات اور تفریعات کی بنیاد رکھے جیساکہ امام شافعی اور بقیہ ائمہ کے قواعد ہیں۔ آگے لکھتے ہیں :-

وھذہ القواعد ھی التی اعجزت الناس عن بلوغِ حقیقۃ مرتبۃ الاجتہاد — یہی قواعد ہیں جنہوں نے لوگوں کو اجتہاد کے مرتبہ تک پہنچنے سے عاجز کر رکھا ہے۔

جب علامہ سیوطیؒ نے اجتہاد کا دعویٰ کیا | مولانا اعزاز علی صاحب لکھتے ہیں کہ

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے مع اپنی جلالۃ قدر کے جب اجتہاد کا دعویٰ کیا تو علامہ منادیؒ فرماتے ہیں کہ ان کے اس دعویٰ کے خلاف علماء عصر میں قیامت برپا ہوگئی اور مناظرہ کے چیلنج کیا تو اس سے انہوں نے انکار کر دیا۔

علامہ ابن حجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ جب علامہ سیوطی نے اجتہاد کا دعویٰ کیا تو سب علماء نے ان پر فوراً حملہ کیا اور ان کو ایسے مسائل کی ایک فہرست دی جو ذو وجہین تھے کہ اگر ان کو اجتہاد کا ادنیٰ درجہ بھی حاصل ہے تو اس میں جو راجح ہوں اس کے دلائل مجتہدین کے قواعد کی روشنی میں پیش کریں۔ تو انہوں نے سوال کا پرچہ بغیر جواب کے واپس کر دیا۔ اور یہ عذر کیا کہ مجھے اشتغال کی وجہ سے فرصت نہیں۔ اس کے بعد ابن حجر فرماتے ہیں۔

اس منصب کی مشکلات پر غور کرو کہ یہ تو اجتہاد کے ادنیٰ درجہ کا حال تھا اس سے واضح ہو چکا کہ جو شخص اس ادنیٰ درجہ اجتہاد کا دعویٰ کرے چہ جائیکہ مطلق اجتہاد، تو ایسا شخص اپنے بارے میں حیرت میں ہے اور فسادِ فکر میں مبتلا ہے۔ اور ایسا شخص اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ اور جس نے بھی اجتہاد مطلق کے درجہ کو سمجھ لیا ہے وہ اس زمانہ میں اجتہاد مطلق کی نسبت کسی طرف کرنے سے شرمائے گا۔

صاحب البحر کے بارہ میں ائمہ کی تصریح | مولانا اعزاز علی صاحب رقمطراز ہیں۔

کہ ائمہ نے "رویانی صاحب البحر" کے بارہ میں تصریح کی ہے کہ وہ اصحاب وجوہ میں سے نہیں تھے۔ حالانکہ رویانی فرمایا کرتے تھے کہ

" اگر امام شافعیؒ کی روایات ضائع ہوجائیں تو میں انہیں یاد سے لکھوا دوں گا۔ تو جب یہ اکابر اجتہاد فی المذہب کے اہل نہ ہوسکے تو وہ لوگ جو ان اکابر کی اکثر عبارات بھی اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے کیسے اور کیونکر اس لائق ہیں کہ اس سے بھی اونچے درجہ " اجتہاد مطلق " کا دعویٰ کریں۔ سبحانک ہذا بہتان عظیم

ائمہ اربعہ کے بعد کسی نے بھی "اجتہاد مطلق" کا دعویٰ نہیں کیا | علامہ شعرانی فرماتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کے بعد کسی نے بھی اجتہاد مطلق کا دعویٰ نہیں کیا سوائے امام ابن جریر کے۔ مگر اس کو کسی نے قبول نہیں کیا۔

رہی یہ بات کہ ائمہ اربعہ کے بعد بھی کوئی مجتہد مطلق ہو سکتا ہے یا نہیں۔ تو علامہ شعرانیؒ نے اس سلسلہ میں تصریح فرمادی ہے کہ

"ہاں امکان ضرور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کے نہ ہو سکنے پر کوئی دلیل نہیں۔"

مولانا عبدالحیٔ فرماتے ہیں کہ

"جو یہ دعویٰ کرے کہ ائمہ اربعہ کے بعد کوئی مجتہد نہیں ہو سکتا تو یہ غلط ہے۔ البتہ اگر یہ کہے کہ ائمہ اربعہ کے بعد کوئی ایسا مجتہد نہیں ہوا جس کے دعویٰ اجتہاد کو جمہور نے مانا ہو تو یہ مسلّم ہے۔" (شریعت و طریقت)

اجتہاد مطلق کے استعمال کے بُرے نتائج اجتہاد مطلق کی صلاحیت اور قوت کے فقدان کے باوجود بھی اگر کسی کو اجتہاد کی اس نوع میں آزادی مل جائے تو پھر ہر وکیل۔ بیرسٹر اور ایڈیٹر۔ خواندہ و ناخواندہ مجتہد عصر ہوگا۔ اور اسلام کی اصلی شکل بھی پہچانی مشکل ہو جائے گی۔

مثلاً جب یہ لوگ دیکھیں گے کہ مجتہدین نے بعض اوقات ظاہر نص کو چھوڑ کر باطن علت پر عمل کیا ہے تو اپنے لئے بھی یہی حق اجتہاد محفوظ رکھتے ہوئے وضو کے بارے میں یہ کہنے میں کوئی باک محسوس نہ کریں گے کہ

"وضو کا حکم معلل ہے جس کی علت یہ تھی کہ عرب اونٹ، بکریاں چراتے تھے ان کے ہاتھ پیر جانوروں کے بول و براز کی چھینٹوں سے آلودہ ہو جاتے تھے۔ اس لئے وضو میں وہ اعضاء رکھے گئے جن کی آلودگی عادۃً اکثر و بیشتر تھی۔ جب کہ ہم روزانہ غسل کرتے ہیں۔ محفوظ مکانوں میں رہتے ہیں لہذا آلودگی موجود نہیں بایں سبب جب علت منتفی ہوئی تو حکم وضو کا وجوب بھی منتفی ہوا۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ رقمطراز ہیں

"اس نوع کے اجتہادی مفاسد پیش آنے کی وجہ وہی ہے کہ تکوینی طور پر وہ استخراج علل کی قوت (اجتہاد مطلق کی صلاحیت) بوجہ انقضائے ضرورت کے ختم ہو چکی ہے۔"

گویا مطلق اجتہاد کا دروازہ تکوینی امور کی بنا پر بند کر دیا گیا۔ جن کو سیاسی اسباب سے تعبیر کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اجتہاد کی اس خاص نوع (اجتہاد مطلق) کو چھوڑ کر محض جنس اجتہاد آج بھی باقی ہے ــــ جس کی تفصیل کا یہ مقالہ متحمل نہیں۔
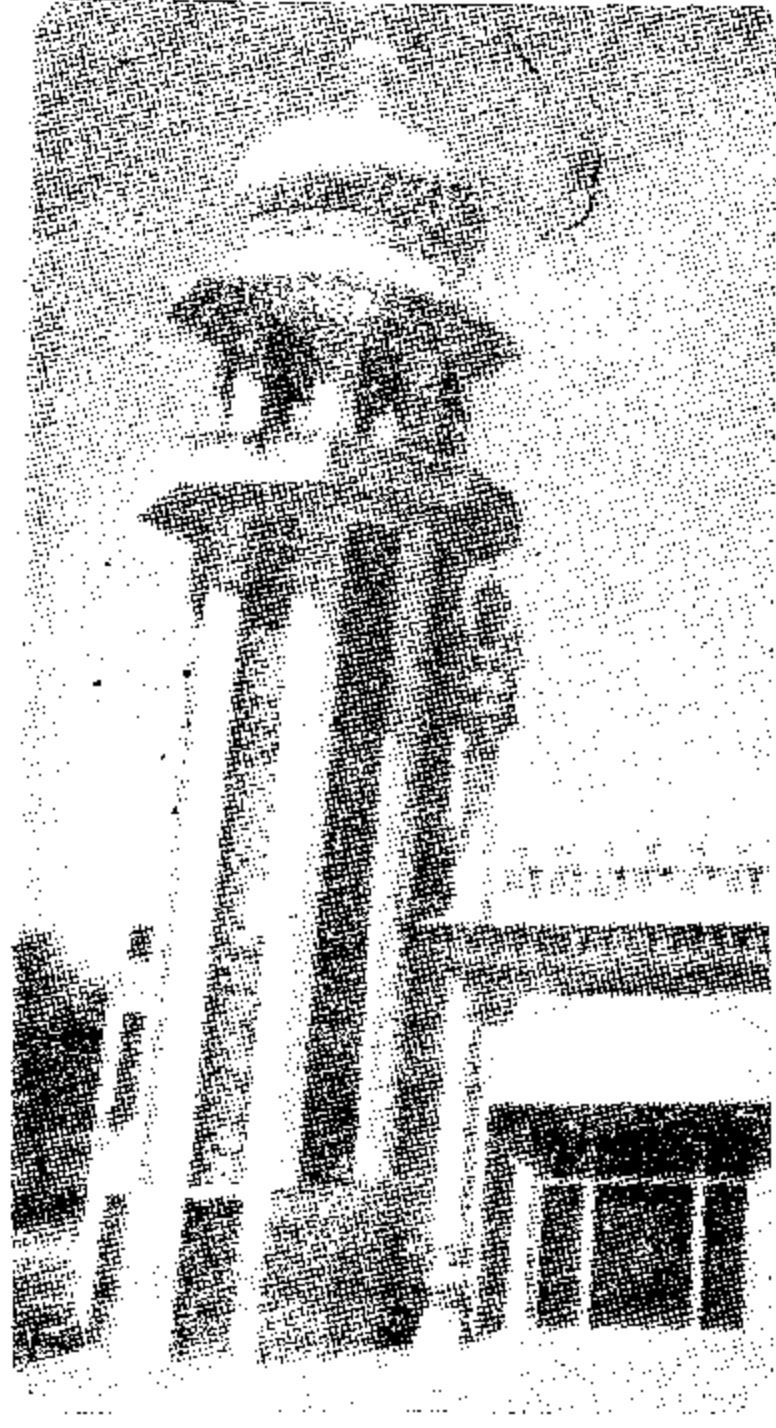
تقریر۔ حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب دامت برکاتہم
تحریر۔ محمد عثمان غنی بی اے، واہ کینٹ

دینی مدارس کی عظمت

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں سول اکیڈمی پشاور میں مقیم حکومت پاکستان کے سینئر آفیسرز کا ایک گروپ ماہ اکتوبر ۱۹۸۱ء کے اواخر میں چند روز کے لئے بغرض مطالعہ حاضر ہوا تاکہ دینی ماحول میں بھی چند روز گذار کر وہاں کے ماحول سے متاثر ہو سکے۔ اس موقع پر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم کے ارشاد کے مطابق ایک نشست میں ہمارے مخدوم حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب دامت برکاتہم نے مندرجہ ذیل خطاب سے مہمانانِ گرامی کو نوازا (محمد عثمان غنی)

دین اور دنیا | معزز حاضرین کرام! شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں مذکور مندرجہ ذیل دعا اتنی عظیم ہے۔ کہ شارع علیہ السلام نے اس کے پڑھنے کا مطاف کے اندر حجرِ اسود کے قریب پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

اس سے ایک اور اہم چیز واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان کا مطمحِ نظر کیا ہونا چاہیئے ہے کہ دنیا بھی اللہ کی مرضی کے مطابق گذرے اور قیامت بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہو۔

دینی مدارس کا کردار | اب میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ایک اسلامی مملکت کے حصول میں دینی مدارس کا کیا کردار ہو سکتا ہے؟ آپ سب پڑھے لکھے حضرات ہیں اور مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ جب کسی وطن کے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مذہبی بنیادوں پر کیونکہ دنیا میں ہر حکومت نظریاتی ہے۔ میرا اپنا نظریہ ہے۔ آپ کا اپنا نظریہ ہے۔ ہر انسان کا ایک نظریہ ہے وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا (بقرہ ۱۴۸) قرآن میں آتا ہے۔ ہر ایک کا اپنا اپنا نظریہ ہے۔ دنیا میں جتنی بھی مملکتیں قائم ہیں یا ہوتی رہتی ہیں یا ہوتی رہیں گی سب ایک نہ ایک نظریے پر ہوتی ہیں۔ خواہ وہ نظریہ آسمانی ہو یا انسانی ہو۔ خدا کو نہ ماننے کا بھی تو نظریہ ہے نا؟ کوئی نہ کوئی نظریہ پیش کیا جاتا ہے۔ ہم اپنے وطن پاکستان کی مثال لے سکتے ہیں۔ پاکستان کے حصول میں سب سے

جو بنیادی وجہ ہے جس پر کامیابی ہوئی وہ یہی ہے کہ مسلمانوں کی تعداد بڑی کافی ہے۔ اسلامی حکومت کے مٹ جانے کے بعد مسلمانوں نے جو ترقی کی اپنے عددی اعتبار سے وہ اتنی مؤثر اقلیت تھی کہ وطن کو تقسیم ہونا پڑا۔ تو اب سوچنا یہ ہے کہ جب اسلامی حکومت بھی چلی گئی تو حکومت کوشش کرتی مسلمانوں کی تعداد بڑھانے میں۔ تو یہ درمیان میں عرصہ گذر رہا ہے اس عرصہ میں مسلمانوں کی تعداد کو کس نے بڑھایا؟ کس نے مسلمانوں کا تحفظ کیا؟ تو یہی کہنا پڑے گا کہ اسلامی مدارس نے۔ اگر یہ مکاتیب نہ ہوتے، یہ مساجد نہ ہوتیں، یہ خانقاہیں نہ ہوتیں، یہ دین پڑھانے والے نہ ہوتے تو کیا برصغیر میں مسلمانوں کی تعداد بڑھ سکتی تھی؟

اسلامی مدارس کی خدمات | آپ سب پڑھے لکھے دوست ہیں، آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس بنیاد پر یہ وطن عزیز حاصل کیا گیا ہے، برصغیر کی تقسیم کی گئی، وہ کیا بنیاد تھی؟ کہ اس ملک میں کلمہ پڑھنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اگرچہ وہ اقلیت میں ہیں لیکن اتنی اقلیت مؤثرہ ہیں کہ وہ الگ وطن مانگتے ہیں اور ان کو الگ وطن دینا پڑا۔ تو یہ تعداد جو تھی کس نے بنائی؟ انہی مدارس نے بنائی۔ آخر دین کے پھیلانے والے، دین کو محفوظ کرنے والے تو یہ مدارس اور مکاتیب ہی تھے۔ اور میرے عزیزو! آپ لکھے پڑھے دوست ہیں میں آپ سے کیا عرض کروں، ہندوستان میں ایک ہزار سال تک تقریباً مسلمانوں کی حکومت رہی ہے۔ اس ایک ہزار سال کے عرصہ میں بڑے مدرسے کھلے۔ اور انگریز کے زمانے میں تو بڑے مدارس تھے۔ سب مکاتیب کی شکل میں تھے کسی میں قرآن مجید پڑھایا جاتا تھا۔ ترجمہ تو خیر نہیں تھا۔ کسی میں فقہ کی چند کتابیں تھیں۔ قرآن کا ترجمہ سب سے پہلے شاہ ولی اللہ نے کیا یعنی قرآن مجید کا ترجمہ نہیں پڑھایا جاتا تھا۔ سب سے پہلے جو ترجمہ ہے اس برصغیر میں شاہ ولی اللہ دہلوی نے کیا فتح الرحمن کے نام سے۔ پہلے ترجمہ ہی نہیں تھا قرآن شریف کا۔ ناظرہ قرآن شریف پڑھاتے تھے۔ یہ بھی بہت بڑی چیز تھی۔ ایک ہزار سال تک برصغیر میں مسلمانوں کی حکومت رہی۔ اور اس عرصے میں ایک بھی اتنا عظیم ادارہ قائم نہ ہو سکا جو سارے علوم و فنون پڑھاتے۔ مکاتیب تھے، مدارس تھے، اپنی اپنی نوعیت تھی لیکن جامع جسے کہتے ہیں وہ صرف دارالعلوم دیوبند تھا۔ جس کو قائم ہوئے آج ایک سو سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔ اس مدرسے میں جو تعلیم دی گئی یا اب بھی جو دی جاتی ہے یہ جامع تعلیم ہے۔ جتنے ہمارے علوم اسلامیہ ہیں سارے کے سارے پڑھائے جاتے ہیں۔ تو اسلامی سلطنت کے چلے جانے کے بعد بھی دین کو جس نے محفوظ رکھا، مسلمانوں کے عقیدے کو جس نے محفوظ رکھا ان کی اسلامیت کو محفوظ رکھا، وہ دینی مدارس تھے۔ جن میں ممتاز ترین کام جو ہے وہ دارالعلوم دیوبند کا ہے۔

دینی مدارس کا اہتمام | حضرت نانوتوی کا ارشاد گرامی ہے کہ حکومت تو جا چکی۔ اب مسلمانوں کے ایمان کا تحفظ کیا جائے۔ چنانچہ وہ تحفظ ہوا اور الحمدللہ بڑے اچھے طریقے پر ہوا۔ اور پھر ان دینی مدارس سے پھر آگے چل کر جو علماء

نکلے، صلحاء نکلے، فصحاء نکلے، مناظر نکلے اور اسی دینی مدرسے کی ایک شاخ دارالعلوم حقانیہ بھی ہے۔ اب تقسیم کے بعد آپ حضرات خود سوچیں کہ تقسیم وطن کے بعد اگر ایسے دینی مدارس چھوٹے چھوٹے نہ ہوتے تو وہ لوگ جو اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے ہندوستان جایا کرتے تھے اب تو وہ آنا جانا ختم ہو چکا تھا۔ یہ دارالعلوم حقانیہ اس برصغیر ہی میں نہیں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ سارے عالمِ اسلام میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ اس علوم کی تدریس ہے۔ علوم کا سمجھانا ہے۔ لکھنا لکھانا۔ ہر اعتبار سے دینی خدمت ہو رہی ہے۔ اور یہ اتنا بڑا قومی پلیٹ فارم ہے۔ اور یہ جو اتنے بڑے محسن ہیں۔ اتنے بڑے محسن کوئی نہیں ہیں۔ آپ سمجھیں ایک بہت بڑا دنیا دار اگر دنیا سے چلا جاتا ہے تو قوم کے لئے کچھ نہیں چھوڑ کر جاتا، قوم کو کیا دے جاتا ہے؟ اگر کوٹھیاں ہیں تو اس کی اپنی ہیں۔ ملیں ہیں تو اس کی اپنی ہیں۔ بنک میں پیسہ ہے تو اس کا اپنا ہے۔ قوم کو اس نے کیا دیا؟ یا اسی طرح مختلف شعبے جو ہیں ان کے سربراہ اگر دنیا سے جاتے ہیں تو قوم کو کیا دے کر جاتے ہیں؟ بہت کم ایسے لوگ ہیں جو خیراتی ادارے قائم کر کے جاتے ہیں جن سے قوم فائدہ اٹھاتی ہے لیکن یہ لوگ؟ مثلاً مولانا صاحب کو آپ دیکھ لیں۔ ہمارے مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم کو آپ دیکھ لیں۔ انہوں نے قوم کو کیا دیا ہے؟ کئی ادارے بنوا دئیے۔ کئی ہزار مؤذن دئیے، کئی ہزار خطیب دئیے۔ کئی ہزار مدرس دئیے۔ اور کئی ہزار کتابیں تصنیف ہو رہی ہیں۔ ہوتی چلی جائیں گی۔ اتنی عظیم بلڈنگیں قوم کو دیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا میں اور بھی کئی دین کے کام ہو رہے ہیں۔ جامعہ ازہر ہی کو آپ دیکھ لیں۔ مصر میں جامعہ ازہر دنیا کی بہت بڑی یونیورسٹی ہے مگر وہ بھی حکومت کے تعاون سے چل رہی ہے۔ اس کے اوقاف ہیں۔ اساتذہ کی بڑی معقول تنخواہیں ہیں۔ وظائف دئیے جاتے ہیں۔ ان کی سرپرستی حکومت کرتی ہے۔ لیکن یہ دینی مدارس یہ جو ہمارے وطن میں ہیں ان کی سرپرستی کون کرتا ہے؟ ان مدارس کے مہتمم حضرات آپ حضرات سے، اور لوگوں سے پیسہ پیسہ جمع کرتے ہیں۔ اور اس پیسے کو اس ایمانداری اور دیانت داری کے ساتھ صرف کرتے ہیں کہ مدارس بن جاتے ہیں، مساجد بن جاتی ہیں۔ مکاتیب بن جاتے ہیں۔ تو یہ مدارس پہلے ہی تھے، اب بھی وہی کام کر رہے ہیں جو کام استحکام وطن کے لئے ضروری ہیں۔

نظریے کا تحفظ اگر کسی اسلامی مملکت کا حصول ہو گیا مثلاً پاکستان ہمارا وطن ہے۔ یہ اسلامی نظام کے نعرہ ہائے بلند کے تحت حاصل ہو گیا۔ اب اس وطن میں اگر بجائے اسلامی نظریات کے لادینی نظام کا پرچار شروع ہو جائے تو اس وطن کا حاصل ہونا اور نہ ہونا برابر ہو جائے گا۔

اسپین کی مثال آپ کے سامنے موجود ہے۔ ہسپانیہ میں آٹھ سو سال مسلمانوں نے حکومت کی ــ آٹھ سو سال ــ حکومت کی مسلمانوں نے ــ اب اتنا کچھ ہوا ہے۔ یہ بھی شاہ فیصل مرحوم کی کوشش تھی جو بار آور

ہوئی ہے کہ سپین سے جو عرب لوگ بھاگے تھے ان کو ان کے خاندان واپس لانے کی اجازت مل گئی ہے ۔ پرسوں اخبار میں تھا آٹھ سو سال تک جہاں حکومت کی ۔ اس کا ایسا زوال ہوا کہ ہسپانیہ میں آج سے تقریباً پچاس سال پہلے بلکہ چالیس ، بلکہ تیس سال پہلے کی بات ہے ۔ کہ وہ لوگ یہ نہیں کہتے تھے کہ میں مسلمان ہوں ۔ اپنے آپ کو مسلمان کہنا بھی جرم تھا ۔ اب کچھ سال ہوتے ہیں کہ سپین میں اسلام کو سچائی کے طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے ۔ اگر کوئی اپنے آپ کو مسلمان کہے تو وہ کہہ سکتا ہے ۔ یعنی جس ملک میں آٹھ سو سال مسلمانوں نے حکومت کی اس ملک میں اسلام کا نام لینا بھی جرم ہو گیا ۔ اور یہ نتیجہ کیوں تھا ؟ وہاں مکاتیب اسلامی نہیں تھے ، مدارس نہیں تھے ۔

ہمارے اس وطن میں انگریز نے دو سو سال حکومت کی ہے اور وہ حکومت ایسے کی ہے کہ بڑے جبر کے ساتھ حکومت کی اور ایسی تجاویز بروئے کار لائی گئیں کہ مسلمانوں کو عیسائی بنا دیا جائے ، مرتد کر دیا جائے ۔ تاکہ ہماری حکومت کامیاب ہو سکے ۔ وہ کیوں کامیاب نہ ہو سکے ؟ یہ دینی مدارس ، یہ اسلامی مکاتیب ، یہ دینی کتابیں آڑے آئیں ۔ انہوں نے مسلمانوں کے دل اور دماغ پر ایسا قبضہ کیا ہوا تھا کہ مسلمان گنہ گار تو ہو سکتا ہے لیکن دین کو چھوڑ دے ؟ یہ نہیں ہو سکتا ہم خود گناہ گار ہیں ۔ مگر ایک گناہ گار سے گناہ گار مسلمان بھی یہ نہیں برداشت کر سکتا کہ اسے کہا جائے کہ تو غیر مسلم ہے ۔ ایک انسان کے عقیدے کے خلاف کوئی بات کی جائے تو ہرگز گوارا نہیں کر سکتا ۔ یہ ساری کی ساری محنتیں کس کی تھیں ؟ ان دینی مدارس کی تھیں ۔ دینی مکاتب کی تھیں ۔ یہ ہمارے ذہن میں ویسے ہی ڈال دیا گیا ہے کہ دین اور دنیا الگ الگ ہوتے ہیں ۔ اسی لئے میں نے قرآن حکیم کی محولا بالا آیت پڑھی ہے ۔ دنیا اور دین الگ الگ شعبے ہیں ۔ یہ غلط بات ہے ۔ دین اور دنیا ایک ہی چیز ہے ۔ دونوں ایک گاڑی کے پہیے ہیں اور یہی بات امام الانبیاء کے زمانہ تک بھی تھی ۔ بعد میں اب بھی ہے ۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اگر وہ صوفی تھے ، سالک تھے ، رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں محو رہتے تھے تو دن میں وہ جہاد کرتے تھے ۔ اگر وہ مجاہد تھے تو ساتھ ہی وہ مبلّغ بھی تھے ۔ اگر مبلّغ تھے تو ساتھ سپاہی بھی تھے یعنی سارے صفات صحابہؓ میں تھے ۔ تبھی تو اسلام پھیلا ورنہ تو آپ پڑھے لکھے دوست ہیں ، مجھے حجاب آتا ہے ۔ آپ دیکھ لیں کوئی بھی ایسا نظریہ ہے مجھے بتائیں جو دس سال میں پھیلا ہو ۔ اور ایسا پھیلا ہو کہ اقوام عالم پر چھا جائے ۔ یہ اشتراکیت کو آپ دیکھیں ، مارکس نے اس کی بنیاد رکھی ۔ لینن نے اسے پھر پروان چڑھایا ۔ اور پھر اس نے اپنے پتے شاخیں نکالی ہوں ۔ تقریباً سو سال کے عرصہ میں اس نظریے کو پھیلانے کے لئے کوشش کی گئی لیکن امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ، جب آپؐ کی عمر چالیس سال ہے ۔ آپؐ نے دعوت نبوت کا من جانب اللہ اعلان فرمایا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں ۔ تیرہ سال تک مکہ مکرمہ میں رہے اور وہ زندگی ہے جو سفر کی زندگی ہے مشقت کی زندگی ہے ، کوئی وہاں کام نہیں ہو سکا سوا عقیدے کی اصلاح کے ۔ تیرہ سال تک لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھایا کہ عقیدہ پختہ ہو جائے ۔ پھر دس سال آپؐ مدینہ منوّرہ میں رہے اور دس سال کے عرصہ میں ۵۳ جنگیں لڑیں نبی کریمؐ

نے (صلی اللہ علیہ وسلم) چھوٹی بڑی ملا کر ۵۴ جنگیں۔ تو سال میں کتنی ہو گئیں؟ چار تو سال میں جنگیں ہو گئیں جس ایک دنیا کے عظیم ترین انسان کو سال میں چار دفعہ سخت جنگیں لڑنی پڑیں تو بتائیے کہ وہ کامیاب ہو گا کہ ناکام ہو گا؟ بظاہر تو ناکام ہونا چاہئے لیکن اس دس سال کے عرصے کے بعد جب امام الانبیاء اس دنیا سے تشریف لے جاتے ہیں تو دس لاکھ مربع میل کے آپ مالک ہیں۔ آپ کی حکومت دس لاکھ مربع میل تک ہے۔ تو اگر حضورؐ اس دنیا کے سامنے یا جس طرح ہمارے ذہن میں ایک تصور ہے کہ یہ تمدن کیا ہے، کہ دنیاوی زندگی سے الگ تھلگ ہو جاتا، تو پھر دس لاکھ مربع میل تو کیا ایک میل بھی نہ لیتے۔ اسلام دونوں چیزوں کو جمع کرتا ہے۔ دین کو بھی اور دنیا کو بھی۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے مذمت کی ان لوگوں کی جو فقط دنیا مانگتے ہیں۔ فرمایا میں تو دین بھی دے سکتا ہوں۔ آخرت بھی دے سکتا ہوں دونوں دے سکتا ہوں تو دونوں دین ہیں۔

ہمارے اسلاف ہمارے گذشتہ سلاطین کی تاریخ آپ دیکھ لیں۔ اس برصغیر میں فرخ سیر قرآن کا حافظ تھا علاؤ الدین خلجی قرآن کا حافظ تھا۔ اورنگزیب قرآن کا حافظ تھا، عالم تھا۔ اس کے علاوہ بھی کئی سلاطین گذرے ہیں تیمور خود بیٹھ کر سنتا تھا مناظرے اور یہ جج ہوتا تھا۔

ایک مناظرہ کرایا تیمور نے علامہ تفتازانی اور دوانی کے درمیان۔ اس پر کہ اُولٰٓئِکَ میں کونسا استعارہ ہے؟ تو تیمور نے تفتازانی کو کامیاب کیا۔ ان کے مقابل کو ناکام کیا۔ یعنی تیمور فیصلے کیا کرتا تھا علماء کی ان بحثوں میں۔ میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دین اور دنیا دونوں ساتھ چلتے ہیں۔ یہ تو ویسے ہی کہا گیا کہ جی اگر دین کی طرف آئے تو دنیا نہیں ملے گی، اگر دنیا کی طرف آئے تو دین نہیں ملے گا۔ نہیں۔ بڑی لمبی فہرست ہے ہمارے پاس۔ ایک طرف وہ فلسفی ہیں ایک طرف وہ حافظ حدیث ہیں۔ ایک طرف وہ مجاہد ہیں۔ ایک طرف وہ مصنف ہیں۔ ایک طرف وہ مبلغ ہیں۔ ایک طرف وہ بہت بڑے صناع ہیں۔ ابن رشد فلسفی ہے۔ بہت بڑا فلسفی گذرا ہے جسے یورپ بھی مانتا ہے۔ اتنا بڑا فقیہہ ہے۔ اس نے ایک کتاب بھی لکھی ہے "ہدایۃ المجتہد" یہاں پڑھی ہو گی۔ یعنی مذاہب میں جو اختلافات ہیں، بہت ہی اہم موضوع ہے۔ ایک مسئلے میں کتنے قول ہیں۔ مثلاً سر کا مسح ہے۔ اس میں کتنے اقوال ہیں۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ سارے سر کا مسح کرو۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دو تین بال ہوں تو تب بھی خیر ہے، ہمارے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ سر کے چوتھے حصے کا مسح کرو۔

میں ایک مثال دیتا ہوں — ابن رشد نے "ہدایۃ المجتہد" کی دو جلدوں میں وہ سارے مسائل جمع کر دئے جن میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ تو اتنا بڑا عالم ہو گا نا؟ ایک طرف تو وہ اتنا بڑا فلسفی ہے اور ایک طرف وہ اتنا بڑا فقیہہ ہے۔ پھر اس کو مؤطا امام مالک پورا زبانی یاد ہے۔ ہمارے ہاں ایک دینی کتاب ہے حدیث کی مؤطا امام مالک، ابن رشد کو پورا مؤطا امام مالک زبانی یاد ہے۔ یہ دو تین مثالیں ہیں اس لئے خدمت میں عرض کر رہا ہوں کہ ہمارے ہاں یہ جو اختلاف

رکھا گیا یہ کوئی پالیسی تھی کسی کی کہ ان کو آپس میں نہ ملنے دیا جاتے۔ یہ بالکل غلط ہے۔

شیخ الہند اور علی گڈھ | ہمارے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ۔ مولانا محمود حسن، اسیر مالٹا۔ جب وہ مالٹا سے واپس
تشریف لاتے تو علی گڈھ تشریف لے گئے اور وہاں جو خطبہ دیا وہ چھپا ہوا موجود ہے۔ آپ نے اس خطبے میں فرمایا کہ
تمہارے پاس اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ میرے درد کے غمخوار بہ نسبت دینی مدارس کے تم میں زیادہ ہیں۔ تو انہوں نے
ویسے ہی یہ بات نہیں کی کہ یہ وہی یونیورسٹی علی گڈھ ہے کہ جس کو غیر اسلامی طاقتیں دور کر رہی ہیں اُسے قریب لایا
جاتے کیونکہ ہم سب آپس میں کلمہ پڑھنے والے ہیں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ ہم دونوں اسلام کی
طاقتیں ہیں۔ اس کے بعد پھر جامعہ ملیہ کا وجود ہوا۔ آپؒ کا مقصد یہ تھا کہ دونوں مدارس کے امتزاج سے ایک بہت
اچھا ذہن پیدا ہو۔

حضرت لاہوریؒ کی وسیع الظرفی | اس لئے میرے دوستو اور میرے عزیزو! دین میں مسلمان سارے کے سارے
شریک ہیں۔ ہم سب کلمہ پڑھنے والے ہیں۔ کوئی کس رنگ میں ہیں کوئی کس رنگ میں ہیں۔ سپاہی سب ہیں۔ ہمارے
اس دورِ حاضر کے امام الاولیاء مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بہت اچھا واقعہ ہے۔ میں عرض کر دوں
ڈاکٹر سید عبد اللہ کو آپ سب حضرات جانتے ہوں گے۔ اللہ انہیں سلامت رکھے بہت ہی اچھے آدمی ہیں بہت
بڑے ادیب ہیں۔ یہ حضرت لاہوریؒ کے شاگرد ہیں۔ یہ ایک جماعت تھی جس میں علامہ علاؤ الدین صدیقی ۔۔۔
ابوالحسن علی ندوی۔ قاری محمد طیب صاحب دارالعلوم دیوبند کے مہتمم۔ ڈاکٹر سید عبد اللہ صاحب۔ یہ سارے
حضرات ہم سبق تھے لاہور میں ــــ ڈاکٹر صاحب نے خود یہ واقعہ لکھا ہے۔ اخباروں میں چھپ چکا ہے کہ میں حضرت
کے پاس جب پڑھا کرتا تھا تو ان کی صحبت کا مجھ پر یہ اثر تھا کہ میں نے داڑھی چھوڑی ہوئی تھی۔ جتنا زمانہ میں ان کے
پاس رہا۔ یا آنا جانا رہا، تو میری داڑھی تھی۔ بعد میں کچھ ایسے واقعات ہوتے، انسان ہیں، ہم سب سے غلطیاں
ہوتی رہتی ہیں۔ یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں۔ تو شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ میں نے داڑھی صفا کر دی۔ بال اتار دیئے
"فارغ البال" ہو گیا۔ تو مجھے اب حجاب آتا تھا کہ میں مولانا صاحب کے پاس کیسے جاؤں؟ کافی وقت گذر گیا میں
مولانا کے پاس اس لئے نہ گیا کہ مجھے حجاب آتا تھا کہ میرے شیخ، میرے استاذ مجھے کیا کہیں گے؟ کہیں گے کہ تو پروفیسر
ہو گیا اورینٹل کالج کا۔ تو اب اس نے یہ کام کیا؟ اتفاق کی بات ہوئی کہ ایک شادی میں حضرت مولانا بھی تشریف
لائے اور میں بھی وہاں مدعو تھا۔ میں مولانا سے چھپ کر پیچھے کی طرف بیٹھ گیا۔
[illegible] طاقتوں نے اسے توڑنے کی کوشش کی ہے
یہ علمی [illegible] تا؟ [illegible] دینی مدارس میں [illegible] گا۔ اور کسی
تو استاد اور شاگرد میں ایک رشتہ [illegible] وہاں بھی کسی جگہ کوئی سیمینار
جگہ نہیں ملتا۔ کم ملتا ہے [illegible]

ہوا۔ پچھلے دنوں (غالباً اسلام آباد میں) نئی صدی کے استقبال کے سلسلہ میں، تو اس میں برصغیر کے سارے دانشور اکٹھے ہوتے۔ باہر سے بھی آئے تھے۔ بھارت سے بھی آئے تھے۔ ہمارے صدر صاحب بھی ایک اجتماع میں آئے، ایک نشست میں، تو سب سے پہلے آپ ملے، مصافحہ کیا، لیکن ایک شخص تھے جن کو آپ نے گلے لگایا، معانقہ کیا۔ اور کافی دیر تک ان سے باتیں کرتے رہے اور ان کو دعوت دی کہ میرے پاس جو صدارتی محل ہے اس میں آپ قیام کریں۔ تو وہ کون تھے جنہیں سینے سے لگایا؟ مولانا احمد سعید صاحب اکبر آبادی فاضل دیوبند۔ دلی میں آپ پڑھتے تھے ان کے پاس، کلاس ہوتی تھی، پھر یہاں پڑھا۔ ان کا احترام کیا، معانقہ کیا اور ان کو دعوت دی کہ آپ میرے پاس قیام کریں۔ یہ استادی شاگردی کا رشتہ اسلام ہی سکھاتا ہے۔

تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس مجلس شادی میں تشریف لاتے تو ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں ان سے چھپ کر بیٹھا تھا۔ تو شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ مولانا اپنی نشست سے اٹھے اور سیدھے میرے پاس آ گئے اور فرمانے لگے بیٹا! آپ کیوں چھپ کر بیٹھے ہیں؟ بات سنو!

ان لوگوں کی باتیں بڑی اونچی ہوتی ہیں۔ یہ بہت اچھے لوگ ہوتے ہیں جی — فرمایا بیٹا! آپ بھی اسلام کے سپاہی ہیں، میں بھی اسلام کا سپاہی ہوں۔ تم بے وردی ہو اور میں باوردی ہوں ہم دونوں اسلام کے سپاہی ہیں — دیکھا جوڑا نا جی؟ توڑا تو نہیں نا؟ اگر نہ دیکھتے اور فرماتے عبداللہ شاہ! ہٹ جاؤ، دفع ہو جاؤ، تم نے داڑھی منڈا ڈالی وغیرہ — لیکن نہیں، اٹھ کر ان کے پاس خود تشریف لے گئے۔ پاس جا کر بیٹھے اور فرمایا بیٹا مجھ سے شرمانے کی کیا بات ہے؟ تم بھی اسلام کے سپاہی ہو، میں بھی اسلام کا سپاہی ہوں۔ میں باوردی ہوں تم بے وردی ہو — خادم الدین میں یہ واقعہ چھپا ہے — کتنا بڑا یہ فلسفہ ہے۔

مسلمان بیک وقت دین و دنیا کے کام کر سکتا ہے

تو محترم حضرات! ہم سب الحمد للہ مسلمان ہیں۔ آپ پاکستان گورنمنٹ کے سربرآوردہ اہلکار ہیں۔ آپ کو دینی مدارس کے دورہ کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ آپ کی جو صلاحیتیں ہیں وہ بھی مسلّم ہیں۔ اگر آپ کے اندر دینی صلاحیتیں زیادہ اجاگر ہوں گی تو ان کا فائدہ آپ کو ملے گا اور آپ کے ماتحتوں کو ملے گا۔ جہاں آپ جائیں گے وہاں فائدہ پہنچے گا۔ ہمارے پچھلے دور کا ہر تاجر، تاجر بھی تھا مبلغ بھی تھا۔ ہر حکیم مبلغ بھی تھا حکیم بھی تھا۔ ہر معمار، معمار بھی تھا اور مبلّغ بھی تھا۔ یہ ہمارے جتنے علماء گذرے ہیں کوئی لوہار ہے کوئی ترکھان ہے۔ کوئی بزّاز ہے۔ کسی کا کوئی پیشہ ہے کسی کا کوئی۔ ہمارے امام ابوحنیفہؒ جن کے ہم مقلّد ہیں آپ کپڑے کا کاروبار کرتے تھے اور صابونی بہت بڑے عالم گذرے ہیں۔ صابون بنا کر بیچتے تھے لیکن ساتھ ہی دین کا کام بھی کرتے تھے۔ صابون بھی بک رہا ہے۔ دین کا کام بھی ہو رہا ہے۔ حلوائی ہے، حلوہ بھی بیچا۔ دین کا کام بھی کیا۔ میرا مقصد کہنے کا یہ ہے کہ ہمارا دین جو پھیلا ہے اس طرح پھیلا ہے۔ یہ تصور تو غیر اسلامی ہے کہ دین اور دنیا الگ ہیں۔ آپ نے

تاریخ آپ نے پڑھی ہوگی۔ ہندوؤں میں تقسیم مناصب ہے۔ تقسیم فرائض ہے۔ برہمن جو ہے وہ صرف دین کا کام کرتا ہے۔
دنیا کا کام نہیں کرتا۔ اسی طرح شودر ہیں۔ ہمارے ہاں یہ نہیں ہے۔ ہمارے ہاں تو مبلغ بھی ہے۔ مجاہد بھی ہے تاجر
بھی ہے وہ مصلے پر بیٹھ کر نماز بھی پڑھا سکتا ہے۔ مصلے پر بیٹھ کر تجارت بھی کرسکتا ہے۔ مصلے پر بیٹھ کر تیر کمان، اور
بندوق بھی تیار کرسکتا ہے۔ مصلے پر بیٹھ کر وہ ترجمہ بھی پڑھا سکتا ہے۔ تو ہمارے ہاں تو دین و دنیا کا کوئی الگ
تصور ہی نہیں ہے یہ تو بدیشی حکومتوں کا ایک حربہ ہے کہ پھوٹ ڈال دو الگ الگ کردو۔

مسلمان بادشاہ کا دینی مقام | شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ خاندان غلاماں کے ایک بادشاہ ہوگذرے
ہیں۔ آپ جانتے ہی ہیں۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں گذرے ہیں۔ وفات سے قبل خواجہ
قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خدام کو اپنا جنازہ پڑھانے والے شخص کے متعلق وصیت فرمائی کہ کون سا
شخص جنازہ پڑھائے۔

آپ کے وصال کے بعد آپ کا جنازہ اٹھا۔ اسلامی مملکت۔ التمش کی حکومت، ولی کا جنازہ، صلحاء، اتقیاء
صوفیاء، اور علماء سب جمع ہیں۔ تو اس وقت تو لاؤڈ سپیکر نہیں تھے۔ سلطان شمس الدین التمش بھی پچھلی صف
میں کھڑے ہیں، پوچھا جنازہ میں کیا دیر ہے؟ عرض کیا گیا کہ خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے وصیت فرمائی ہے کہ
میرا جنازہ وہ شخص پڑھائے جس میں یہ صفات ہوں۔

نمبر ایک۔ آج تک تہجد کی نماز قضا نہ ہوئی ہو۔

نمبر دو۔ اپنی بیوی کے علاوہ کسی کے ساتھ تعلق نہ ہوں۔

نمبر تین۔ عصر کی سنتیں کبھی نہ چھوٹی ہوں۔

اتنے اتنے علماء موجود ہیں مگر کسی کی ہمت نہیں پڑتی کہ آگے بڑھے۔ آپ نے تاریخ میں یہ واقعہ پڑھا ہوگا کہ
سلطان شمس الدین التمش نے حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ خود پڑھائی۔ ہمارے سلاطین بیک
وقت دنیا کے حکمران بھی تھے اور ساتھ ہی تقوای کے اعلیٰ مقام پر بھی فائز تھے۔

آخری عرضداشت | تو عرض کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم میں اختلاف پیدا کیا گیا کہ ایک طرف مسٹر ہوں
دوسری طرف ملا ہوں۔ حالانکہ ہم سب مسلمان ہیں۔ اسلام یہ سکھاتا ہے میرے دوستو! کہ اگر ایک ڈاکٹر ہے تو وہ
ڈاکٹر بھی ہو، اور مبلغ بھی ہو۔ اگر ایک مولوی ہے تو وہ ڈاکٹر بھی ہوسکتا ہے۔ اگر یہ اختلاف ختم ہوجائے تو ہم سب
مل کر اسلام کی خدمت کرسکتے ہیں۔

یہ بڑی خوشی کا مقام ہے کہ ہماری حکومت نے یہ منصوبہ بنایا کہ آپ جیسے حضرات کو کہا گیا کہ آپ دینی
مدارس میں بھی جائیں، وہاں جاکر طلبا کو دیکھیں۔ دینی ماحول میں کچھ وقت گذاریں۔ دیکھا آپ نے کتنا بڑا یہ ادارہ

(باقی ص ۱۲۵ پر)

MFTM-5-77

Asiatic

پاکستان نیوی کے شعبۂ تعلیم میں شارٹ سروس کمیشن دینی معلمین کی بھرتی کے لیے پاکستان کے مرد شہریوں سے درخواستیں مطلوب ہیں

تعلیمی قابلیت

ایم اے اسلامیات کم از کم سکینڈ ڈویژن اور فارغ/فاضل درس نظامی کی سند، جامعہ اسلامیہ بہاولپور سے تخصص ایم اے اسلامیات کے مساوی تصور کیا جائے گا درس نظامی کی اسناد کسی منظور شدہ دینی تعلیمی ادارہ کی جاری/تصدیق شدہ ہونی چاہیں

عمر

۲۵ اپریل ۱۹۸۲ء کو ۳۵ سال سے کم / اعلیٰ تعلیم اور تجربہ کی صورت میں عمر کی حد میں رعایت دی جا سکتی ہے۔

تنخواہ اور الاؤنس مروجہ قوانین کے مطابق

اس کے علاوہ

کمیشن ملنے کے بعد حاضر ہونے پر وردی کی تیاری کے لیے ۲۱۰۰ روپے صرف ایک دفعہ وردی کا الاؤنس۔ ۲۵۰ روپے ماہانہ نوکل کمپنسٹری الاؤنس بشرح ۱۰ فیصد تنخواہ زیادہ سے زیادہ ۲۰۰ روپے ماہانہ اور دیگر مراعات جو ایک نیول افسر کو حاصل ہوتی ہیں
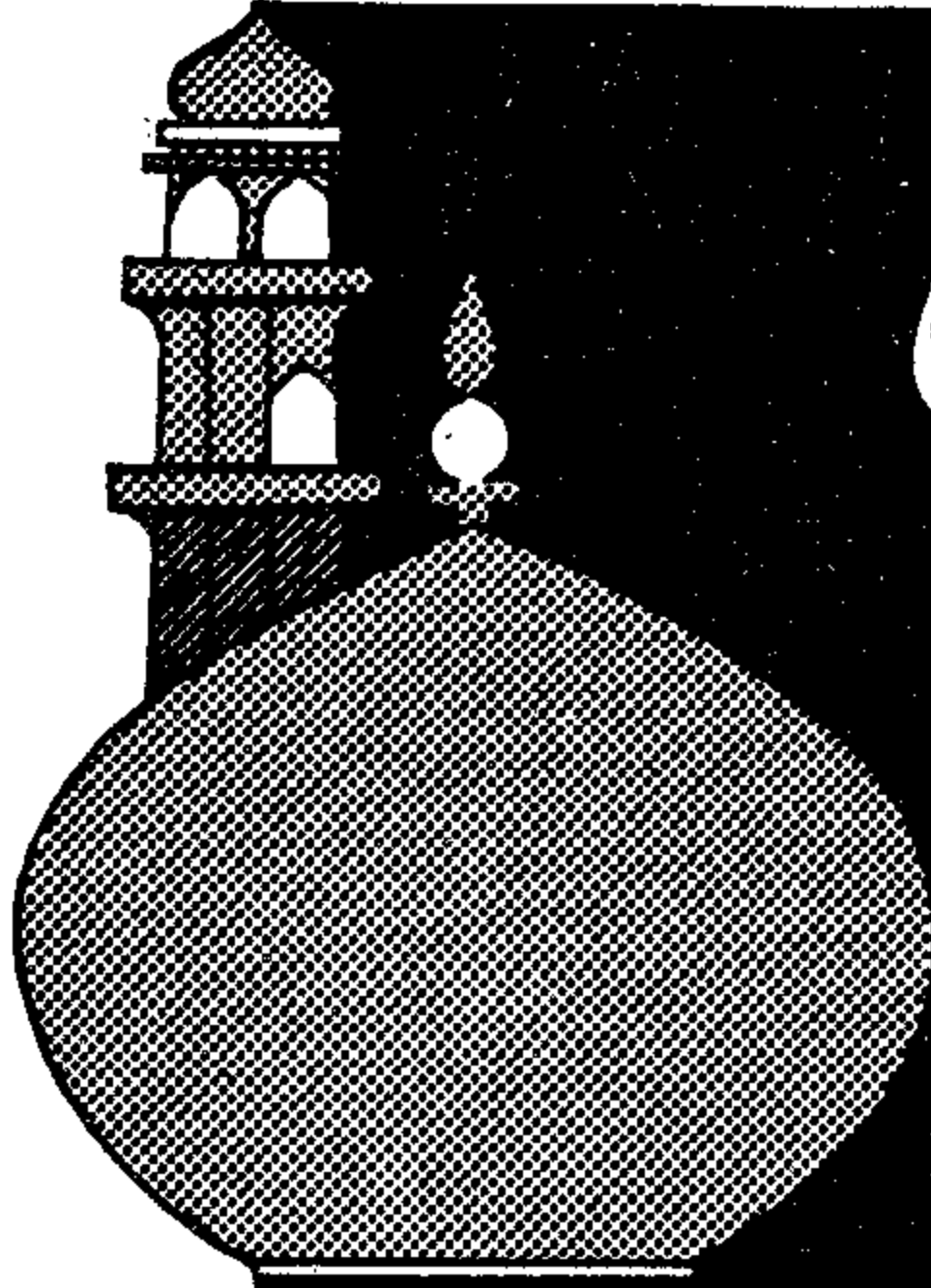
طریق انتخاب

۱۔ کسی فوجی شفاخانے سے طبی معائنہ

۲۔ پاکستان نیوی کے سلیکشن بورڈ کے ذریعے امتحان اور انتخاب

۳۔ حتمی انتخاب نیول ہیڈ کوارٹرز کریگا۔

کمیشن عطا کیا جانا

جو امیدوار حتمی طور پر منتخب ہو جائیں گے انہیں شروع میں سب لیفٹیننٹ کے عہدے پر پانچ سال کے لیے شارٹ سروس کمیشن دیا جائے گا جس میں مقررہ حد تک توسیع ہو سکتی ہے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور سابقہ تجربہ رکھنے والے امیدواروں کے لیے سینیارٹی یا اعلیٰ عہدے کی گنجائش موجود ہے

مزید معلومات اور درخواست کے فارموں کے لیے

مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک سے رجوع کریں۔

ڈائریکٹوریٹ ریکروٹمنٹ نیول ہیڈ کوارٹرز اسلام آباد

نیول ریکروٹنگ آفیسر مکان نمبر ڈی ۸۵، شارع ۶، سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی

نیول ریکروٹنگ آفیسر، ۷ لیاقت بیرکس فیصل شہید روڈ کراچی

نیول ریکروٹنگ آفیسر، ۲۳ الف ظفر روڈ لاہور چھاؤنی

ڈائرکٹوریٹ آف ریکروٹمنٹ نیول ہیڈ کوارٹرز اسلام آباد میں درخواستیں وصول ہونگی

آخری تاریخ ۲۵ اپریل ۱۹۸۲ء

PID/Islamabad.

ADGROUP

شکریہ ہفت روزہ اخبار العالم الاسلامی ۔ مکہ مکرمہ
ترجمہ حافظ محمد ظہور الحق ظہور، اسلام آباد

مسجد حرام میں امام کعبہ حضرت الشیخ محمد بن عبداللہ السبیّل کا خطبہ جمعہ ۱۳ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

شراب کی حُرمت

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندوں میں سے جسے چاہا توفیق دی اور ان پر نیکیوں اور بھلائیوں کا راستہ واضح کیا۔ اور انہیں فلاح و سعادت کی راہ پر چلایا۔ میں اس پاک ذات کی حمد کرتا ہوں اور اس کا شکر بجا لاتا ہوں۔

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا سزاوار نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ جو اس کی خوشنودی کی طرف بلاتے ہیں اور سب اہل ایمان کے لئے باعث رحمت ہیں جو انہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے منع کرتے ہیں۔ پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتے اور ناپاک اشیا کو حرام قرار دیتے ہیں۔ اے اللہ اپنے بندے اور اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی آل اور آپ کے صحابہ کرامؓ پر رحمتیں اور سلامتی نازل فرما۔

امابعد! پس اے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو۔ اس کی اطاعت کرو اور اس کے اوامر (احکام) پر عمل کرو۔ اور جن چیزوں سے اس نے منع کیا ہے ان سے باز رہو اور اپنے پروردگار کی کتاب میں غور و تدبر کرو۔ اس نے تمہیں دین و دنیا کی سعادت تک پہنچانے والے بہترین راستے دکھائے۔ اور بدبختی کے اسباب اور نقصان کی طرف پہنچانے والے فساد کے راستوں سے منع کیا۔ اور اس نے اپنی کتاب عزیز (قرآن مجید) میں ایمان کے نام سے اس بات پر متنبہ کرتے ہوئے خطاب کیا ہے۔ کہ مومن وہ ہے جو اپنے پروردگار کے احکام کو بطیب خاطر قبول کرے۔ اور ان پر سرگرمی سے عمل کر کے دکھائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایماندار بندوں کی تعریف میں فرمایا وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ اور سمجھاتا رہ کہ سمجھانا کام آتا ہے ایمان والوں کو۔ اور جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں ڈرایا اور ان کے برے انجام سے آگاہ کیا۔ ان میں وہ چیزیں بھی شامل ہیں

جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہیں۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ ۔

اے ایمان والو۔ یہ شراب، جوا، بُت اور پانسے سب گندے اور شیطانی کام ہیں۔ سو ان سے بچتے رہو۔ تاکہ تم نجات پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ وہ شراب اور جوئے کے ذریعے تم میں دشمنی اور بیر ڈالے اور وہ تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکے۔ سو کیا اب بھی باز آؤ گے؟

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے شراب کی حرمت بیان فرمائی ہے۔

خمر کی تعریف " الخمر ما خامر العقل یعنی پینے کی کوئی چیز خواہ کسی قسم کی ہو جو عقل پر پردہ ڈالے اور اسے ڈھانپ لے وہ خمر ہے اور ہر وہ چیز جو نشہ لائے اور اس سے عقل و ہوش اڑ جائیں وہ حرام ہے اللہ تعالیٰ نے اسے قرآن مجید میں حرام قرار دیا ہے۔ اور نبی کریم کا ارشاد ہے

کُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سخت ڈرایا ہے اور بیان فرمایا ہے کہ وہ شیطان کا عمل ہے اور شیطان کے تمام اعمال خسارہ، بدبختی اور محرومی ہی کے ہیں۔ وہ شراب اور مخدرات پلا کر ہمارے مابین بغض اور عداوت ڈالنا چاہتا ہے۔ اور اس سے ہمیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے (جس سے ہمارے دلوں کو زندگی اور طہارت حاصل ہوتی ہے) اور نماز سے (جو ہمارے دین کا ستون ہے اور دین اسلام کا ایک اہم بڑا رکن ہے۔ اور اہم بنیادوں میں سے ایک ہے) روکنا چاہتا ہے۔ پس شراب اُمّ الخبائث اور شر و فساد کے موجبات میں سے ہے۔

جو شخص نشہ پیتا ہے اس کی عقل مختل ہو جاتی ہے۔ اور ہوش و حواس اڑ جاتے ہیں۔ کبھی لوگوں کے لئے جانی و مالی اذیت و نقصان کا موجب بنتا ہے اور کبھی جنگ و قتال کا باعث۔ پس جو نشہ پیتا ہے یا پینے والے کے ساتھ شریک مجلس ہوتا ہے۔ وہ ہر قسم کے شر کا باعث ہے۔ بسا اوقات انسان شراب پی کر قتل ناحق اور کئی دوسرے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ اور کبھی کبھی شراب نوشی انسان کو کفر کی حد تک پہنچا دیتی ہے۔ شریعت نے شراب پینے والے کے لئے چالیس یا اسّی کوڑوں کی سزا مقرر کی ہے۔ صحابہ کرامؓ کا یہی عمل رہا ہے۔ اور آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہے جیسا نبی کریمؐ نے فرمایا۔

مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِی الدُّنْیَا لَمْ یَشْرِبْھَا فِی الْاٰخِرَۃِ جو دنیا میں شراب پیئے گا وہ آخرت میں کبھی بھی

نہیں پئے گا۔ یہ کتنی سنگین سزا اور کس قدر محرومی ہے۔

اللہ کے بندو! جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل جیسی نعمت عطا کی ہو وہ شراب پی کر پاگلوں اور بے عقل جانوروں کی سطح پر اترنے کے لئے کس طرح راضی ہو سکتا ہے؟ بہت سوں نے تو قرآن مجید میں حرمت شراب نازل ہونے سے پہلے ہی اپنے اوپر شراب حرام کر لی تھی۔ اس خطرے کے پیش نظر کہ شراب نوشی کی وجہ سے وہ کسی ایسے فعل کے مرتکب نہ ہو جائیں جو ان کے لئے بدنامی کا سبب بنے۔ یا ان کی جوانمردی و مروّت کو بٹہ لگا دے۔ اور اپنی غیرت و شرافت کے مقام سے گر جائیں۔ پس جب شریعت اسے حرام قرار دیتی ہے اور مروّت کے منافی ہے تو ایک ذی عقل اور صاحب مروت مسلمان کو شراب نوشی کب اور کیسے زیب دیتی ہے۔ اور وہ شراب کیسے پی سکتا ہے اور ایک عقلمند شخص پاگل بننے کی کب کوشش کرتا ہے۔

اے فرزندانِ اسلام! جوا جسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے ان بری چیزوں میں سے ہے جو بغض و عداوت اور حسد پیدا کرتا ہے۔ دشمنی اور کینہ کو بڑھاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت الٰہی سے روکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ. شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ وہ شراب اور جوئے کے ذریعے تم میں دشمنی اور بیر ڈالے اور وہ تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکے۔

اَلْمَيْسِر کا معنی جوا ہے اور وہ قرآن و سنّت کی رو سے حرام ہے۔ کیونکہ وہ کینہ، بغض اور عداوت پیدا کرنے اور حرام طریقہ سے مال کھانے کا سبب بنتا ہے۔ اس لئے کہ جو جوا کھیلتا ہے وہ کبھی ہار جاتا ہے اس کا مال اس سے جبراً لے لیا جاتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لینے والے پر اس کا غصہ اور بغض تیز ہو جاتا ہے۔

جوا بھی شراب کی طرح خدا کی یاد اور عبادت الٰہی سے روکنے کا سبب بن جاتا ہے۔ کیونکہ قمار باز اس میں پورے انہماک اور از حد دلچسپی سے کھیلتا ہے۔ اور اپنے دوسرے اہم کاموں کو نظر انداز کر کے اس طرح مشغول ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یاد ہی نہیں کرتا۔ نیز رات رات بھر جاگنے اور بے خوابی کی وجہ سے اس پر جسمانی اضمحلال کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے کام کاج اور فرائض انجام دینے اور دن کو روزی کمانے کے وقت سست پڑ جاتا ہے۔ اکثر اوقات وقت پر نماز پڑھنے یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت و ثواب سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ حضرت علیؓ ایک دفعہ کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے گذرے جو شطرنج کھیل رہے تھے تو فرمانے لگے۔

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ (یہ کیسی مورتیں ہیں جن پر تم مجاور بنے بیٹھے ہو) اور

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ آپ نے جب انہیں کھیلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا۔" تم اس لئے تو نہیں پیدا کیئے گئے ہو۔"

بہر حال جُوا چونکہ عداوت اور بغض پیدا کرنے اور اللہ کی یاد اور بندگی سے روکنے کا سبب بنتا ہے خواہ عوض پر ہو یا بدوں عوض۔ تمام صورتوں میں حرام ہے۔

پس اے اللہ کے بندو۔ اللہ سے ڈرو اور جس چیز سے تمہارے خدا نے تمہیں منع کیا ہے اس سے باز رہو۔ تمہارے نفس تمہیں خواہش نفسانی میں نہ پھنسا دیں۔ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ یعنی نفس تو بدی پر ابھارتا ہے۔ اور شیطان کہیں تمہیں اپنے دھوکے میں نہ ڈال دے۔

انما یرید الشیطن ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون ۔ واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واحذروا فان تولیتم فاعلموا انما علیٰ رسولنا البلاغ المبین ۔

شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ ڈالے تم میں دشمنی اور بیر بذریعہ شراب اور جوئے کے اور روکے تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے۔ سو اب بھی تم باز آؤ گے۔ اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔ اور بچتے رہو۔ پھر اگر تم پھر جاؤ گے تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمہ صرف پہنچا دینا ہے۔

بخاری اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لایزنی الزانی حین یزنی وھو مومن	زانی جب زنا کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں رہتا
ولا یسرق السارق حین یسرق وھو مومن	اور چور جب چوری کرتا ہے تو اس وقت مومن نہیں رہتا
ولا یشرب الخمر حین یشربھا وھو مومن	شرابی جب شراب پیتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں رہتا

اور آپ نے فرمایا:۔

لعن اللہ الخمر وشاربھا وساقیھا ومبتاعھا وبائعھا وعاصرھا ومعتصرھا وحاملھا ومحمولۃ الیہ

اللہ تعالیٰ نے شراب پر، اس کے پینے والے پر۔ پلانے والے پر، خریدنے والے پر۔ بیچنے والے پر۔ اپنے لئے کشید کرنے (جوس نکالنے) والے پر اور دوسروں کے لئے نکالنے والے پر، اٹھانے والے پر اور جس کی طرف اٹھا کرلے جایا گیا ہو سب پر لعنت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو قرآن کریم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر چلائے۔ بس اسی پر اکتفا کرتا ہوں اور میں اپنے لئے۔ آپ لوگوں کے لئے۔ اور تمام مسلمانوں کے لئے ہر قسم کے گناہوں کی بخشش اور مغفرت کی دعا کرتا ہوں تم بھی اسی سے مغفرت طلب کرو۔ بیشک وہی بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

اشتہار

اسلامی معاشیات اور معاشرتی علوم میں تحقیقات کے لئے

صالح کمال ایوارڈ

ماہرین اور سکالروں کی طرف سے رائل اکیڈیمی برائے اسلامی تہذیب و تحقیق (البیت فاؤنڈیشن) عمان میں مذکورہ بالا ایوارڈ کے لئے درج ذیل شعبوں میں درخواستیں مطلوب ہیں۔

اسلامی اکنامکس ۔ مالیاتی منڈی کا شعبہ اور اسکی اسلامی فقہ کی عملی تفسیر سے مطابقت (اس سلسلے میں دو امور کی شمولیت ضروری ہے)

۱۔ مالیاتی دستاویزات ۔ ذخیروں اور حصص کی تجارت اور بانڈ۔ ان کی براہ راست فروخت یا دوسرے ممکنہ طریقہ ہائے فروخت۔

۲۔ لیزز کے معاہدے ۔ لیزز کے معاہدے اور ان کے لئے سرمایہ کی فراہمی کے طریقے۔ ان دونوں مذکورہ امور میں سے ایک کی شمولیت ہونی چاہیے

اسلامی معاشرتی علوم ۔ اس کا موضوع ہے "جدید معاشرہ میں مسلمان خواتین" جزئیات میں یہ شامل ہیں۔ عورتوں کا کام کرنا۔ ان کی تعلیم اور معاشرہ میں حیثیت یا کچھ اور موزوں ذیلی عنوانات۔

ایوارڈ ۔ تحقیق کے سلسلے میں دو ایوارڈ دیئے جائیں گے۔

پہلا ایوارڈ ۔ ۲۰ ہزار امریکی ڈالر نقد۔ ایک طلائی تمغہ اور اعزاز کا سرٹیفکیٹ۔

دوسرا ایوارڈ ۔ ۱۵ ہزار امریکی ڈالر نقد۔ ایک نقرئی تمغہ اور اعزاز کی سند۔

ذیل کی شرائط کی پابندی ضروری ہے۔

۱۔ تحقیق قرآن کریم۔ حدیث۔ اسلامی فقہ۔ اسلامی عہدوں میں قوانین کے نفاذ پر مبنی ہونے چاہئیں۔ تحقیق کو قابل فہم بنانے کی غرض سے جدید زندگی کے تقاضوں کے حوالے سے بات کی جائے۔ اور اسلامی پس منظر کو پیش نظر رکھا جائے۔

۲۔ تحقیق کا مسودہ عربی زبان میں ہونا چاہیئے جس کا خلاصہ انگریزی یا فرانسیسی میں بھی جمع کرایا جا سکتا ہے۔ یا مسودہ انگریزی یا فرانسیسی ہونے کی صورت میں اس کا خلاصہ عربی میں مرتب کیا جائے۔

۳۔ تحقیق وہ ہونی چاہیے جسے اب تک کہیں داخل نہ کیا گیا ہو اور نہ ہی کسی مقامی یا بین الاقوامی ایوارڈ کے لئے جمع کرایا گیا ہو۔

۴۔ تحقیق کا انداز مقصدی اور علمی ہونا چاہیئے۔ اس کا طبع زاد ہونا لازمی ہے۔ اور علم کی ترقی میں اس سے وسعت ملتی ہو

۵۔ تحقیق شائع شدہ نہیں ہونی چاہیئے۔

۶۔ تحقیق کی ضخامت ۴۰ ہزار الفاظ سے کم نہ ہو۔ البتہ تعارف اور گوشوارے اس سے علیحدہ ہیں۔

۷۔ تحقیق کے ساتھ مصنف کی مختصر سوانح عمری اور اس کی تحقیقات کا مکمل تذکرہ منسلک کیا جائے۔

۸۔ تحقیقی مقالہ جمع کرانے کی آخری تاریخ [illegible] نومبر ۱۹۸۲ء ہے۔

۹۔ تحقیقات قبول ہوں یا مسترد، ناقابل واپسی ہیں۔

۱۰۔ تحقیقی مقالہ کی پانچ نقول وزارت تعلیم (سکالرشپ) II سیکشن، حکومت پاکستان اسلام آباد کو جمع کرائی جائیں۔

PID — 4118/29

آوازِ اخلاق وقت ایسی زمین ہے جس میں محنت کے بغیر کچھ نہیں پیدا ہوتا!

اسلام میں بچوں کی قدر و اہمیت
اور
ان کی تعلیم و تربیت

جناب محمد یوسف صاحب فاروقی۔ پروفیسر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

بچے ہر قوم کا عزیز ترین سرمایہ ہوتے ہیں وہ بچے جنہیں مستقبل کی تمامتر ذمہ داریاں سنبھالنا ہوتی ہیں۔ موجودہ نسل نے جو کچھ اپنے اسلاف سے پایا ہے اور جو کچھ اپنی جد و جہد محنت و مشقت سے حاصل کیا ہے۔ علم و ہنر اور تجربات کا جو خزانہ جمع کیا ہے سب کچھ کل کی جوان ہونے والی فسل کے سپرد کر کے اس جہاں سے رخصت ہو جانا ہے۔ اب اگر ان نونہالوں کی جو مستقبل کے معمار ہیں بہترین تربیت کی گئی ہے۔ انہیں زیور علم و ہنر سے آراستہ کیا گیا ہے۔ اور صحیح خطوط پر ان کی کردار سازی کی گئی ہے تو پھر مستقبل تابناک ہوگا۔ لیکن اگر ہم نے ان کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی کی یا انہیں صحیح انداز پر ملی ضروریات کے مطابق تیار نہ کر سکے تو پھر مستقبل میں تعمیر و ترقی کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی بلکہ اس طرح ملک و ملت کی تباہی کے خدشات بڑھ جائیں گے۔

تاریخ نے اپنے دامن میں بے شمار قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں محفوظ کر رکھی ہیں۔ ہم جب عروج پانے والی قوموں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اس کی ایک اہم وجہ یہ بھی ملتی ہے کہ انہوں نے نہ صرف اپنے بچوں کی تربیت و نگہداشت پر خصوصی توجہ کی۔ بلکہ اپنی تمامتر صلاحیتیں اپنے بچوں کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور ان میں مستحکم کردار پیدا کرنے میں صرف کیں۔ اور جو قومیں زوال کا شکار ہو گئیں وہ اس وجہ سے ہوئیں کہ ان کے اسلاف نے بچپن میں انہیں نظر انداز کر دیا تھا ان کے بزرگ عیش و عشرت میں مصروف رہے اور اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت سے غافل رہے۔

اس دنیا میں ہر انسان خیر و شر دونوں صلاحیتیں لے کر آتا ہے۔ لیکن بچہ کا دماغ آئینہ کی طرح صاف شفاف ہوتا ہے وہ ہر اس چیز کے عکس کو قبول کر لیتا ہے جو اس کے سامنے آتا ہے وہ جو کچھ دیکھتا ہے بہت غور سے دیکھتا ہے جو کچھ سنتا ہے بہت غور سے سنتا ہے پھر اسی طرح نقل کرتا ہے جس طرح دیکھتا اور سنتا ہے۔ اس صاف شفاف دل و دماغ پر آج جو نقوش ابھریں گے وہ بہت گہرے ہوں گے۔ اپنے گرد و پیش کے ماحول سے جو کچھ پاتے گا اس کے اثرات

کو پوری طرح قبول کرے گا۔ آج جو عادات واطوار اپنائے گا وہی عادات اس میں راسخ ہو جائیں گی۔ اب یہ بزرگوں کے ہاتھ میں ہے کہ وہ چاہیں تو اسے اچھا انسان۔ اچھا شہری اور معمار مستقبل بنادیں۔ اور اگر چاہیں تو موذی۔ بدکردار اور تخریب کار بنادیں۔ بچپن کا یہ دور بہت نازک دور ہے جس پر انسانی زندگی کی تمام آئندہ خوبیاں منحصر ہیں۔ لہٰذا یہی دور بہت نازک دور ہے جس پر انسانی زندگی کی تمام آئندہ خوبیاں منحصر ہیں۔ لہٰذا یہی دور سب سے زیادہ قابل توجہ ہے۔

اسلام میں بچوں کی نگہداشت تربیت و اصلاح اور ان کی تعلیم پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم سب سے پہلے تو یہ بات ذہن نشین کراتا ہے کہ اولاد اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ تمہیں اس کی قدر کرنی چاہیئے سورہ نحل میں اس مضمون کو نہایت خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔

واللہ جعل لکم من انفسکم ازواجاً وجعل لکم من ازواجکم بنین وحفدۃ ورزقکم من الطیبات افبالباطل یومنون وبنعمۃ اللہ ھم یکفرون ٥	اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں میں سے تمہاری بیویاں بنائیں اور ان سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کئے تمہیں پاکیزہ رزق عطا کیا۔ کیا پھر بھی یہ لوگ باطل پر اعتقاد رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں[۱]

اس آیت کریمہ میں بچوں کو نعمت خداوندی قرار دے کر اس بات کا احساس دلایا ہے کہ ہم ان کی قدر کریں اور ناقدری کر کے کفران نعمت کا شکار نہ ہو جائیں۔

قرآن حکیم نے انبیاء علیہم السلام کے گھرانوں میں بچوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک دوسرے اسلوب سے اس نعمت کی قدر و قیمت کو اجاگر کیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت سارہ کا ذکر کرتے ہوئے قرآن حکیم نے کہا ہے۔

فبشرناہا باسحاق ومن وراء اسحاق یعقوب	ہم نے انہیں اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی پیدائش کی خوشخبری سنائی[۲]

حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی آرزو اور تمنا کے بعد ان الفاظ سے بشارت دی گئی۔

یا زکریا انا نبشرک بغلام	اے زکریا ہم تمہیں ایک بچے کی بشارت دیتے ہیں[۳]

حضرت مریم علیہ السلام کو بیٹے کی خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا۔

یا مریم ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ	اے مریم اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی طرف سے اک کلمہ کی (عیسیٰ)

---

[۱] سورہ النحل ۷۲، [۲] سورہ ہود ۷۱

علیہ السلام) بشارت دینا ہے[1]

ان آیات میں لفظ تبشیر میں اللہ تعالیٰ کی عنایات اور تکمیل مسرت کے جو گوناگوں پہلو ملحوظ ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔

جسمانی صحت و پرورش: بچوں کی جسمانی صحت اور ان کی غذا پر بھی توجہ دی ہے۔ آغاز طفولیت میں خالص غذا بچوں کی بنیادی ضرورت ہے قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین — اور مائیں اپنی اولاد کو دو سال کامل دودھ پلائیں[2]

بچوں کے لئے ماں کے دودھ سے بڑھ کر کوئی دوسری غذا نہیں ہو سکتی۔ اس پوری آیت کا سیاق و سباق بتاتا ہے کہ بہتر یہی ہے کہ مائیں خود ہی بچوں کو اپنا دودھ پلائیں۔ اور اگر کسی وجہ سے ماں اپنا دودھ نہیں پلا سکتی تو پھر کسی ایسی آیا کا انتظام کیا جاتے جو بچہ کو اپنا دودھ پلا سکے۔ تاکہ بچہ کی صحت اور اس کی نشو و نما ٹھیک ہوتی ہے۔

بچوں کی نگہداشت اور حفظان صحت کے اصولوں کے مطابق ان کی پرورش کی ذمہ داری سب سے پہلے والدین پر عائد ہوتی ہے۔ قرآن حکیم نے ماں باپ دونوں کو اس فریضہ کا احساس دلایا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سب سے زیادہ اجر و ثواب اس دینار پر ہے جو اپنے عیال پر خرچ کیا جاتے[3]

گلشن حیات کی بہار بچوں سے ہے ان کی پرورش ان کی صحت و عافیت معاشرہ کے سب ہی افراد کی ذمہ داری ہے۔

المال والبنون زینۃ الحیات الدنیا — مال اور اولاد دنیوی زندگی کی زیب و زینت ہیں[4]

ان کی پرورش اس طرح کرنی ہوگی کہ ان میں حقیقتاً نکھار و زینت پیدا ہو۔ چمن انسانیت میں جمال انہی گلوں کی آب و تاب سے ہے۔ صحت مند تندرست و توانا بچے ہی باعث زینت ہو سکتے ہیں۔

تربیت: بچوں کی تربیت سب سے زیادہ اہم موضوع ہے۔ ان کی تربیت اور دیکھ بھال کی طرف شروع ہی سے توجہ دینی چاہیئے۔ ان کی تربیت کرتے ہوتے شفقت و محبت اور رحم کے جذبات شامل رہنے چاہئیں۔ اس لئے کہ جو تربیت شفقت و محبت کے جذبات کے ساتھ ہوتی ہے اس کے اثرات بہت گہرے اور دیرپا ہوتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بچوں کے ساتھ انتہائی شفقت فرماتے تھے۔ امت کے لئے یہی حکم ہے کہ

من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منا۔ — جو ہمارے بچوں پر رحم و شفقت نہ کرے اور جو ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

خود اعتمادی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و محبت کا یہ حال تھا کہ نماز پڑھ کر مسجد سے جب واپس تشریف

---

[1] سورہ آل عمران ۴۵ [2] سورہ بقرہ ۲۳۳ [3] النووی، ریاض الصالحین، باب النفقۃ علی العیال صہ ۱۵۴ [4] سورہ کہف ۴۶

لاتے تو راستہ میں بچوں کو گود میں اٹھا اٹھا کر پیار کرتے۔ سفر وغیرہ سے واپس ہوتے اور کوئی بچہ نظر آجاتا تو اسے اپنی سواری پر ساتھ بٹھا لیتے۔ حضرت حسن اور حسین کے ساتھ جس طرح شفقت و محبت فرماتے تھے وہ قابل رشک ہے۔

اپنی نواسی حضرت امامہ سے بہت محبت فرماتے تھے انہیں گود میں لے کر پیار فرماتے۔ بچوں کو خوش کرنے کے لئے انہیں کھانے کی چیزیں یا ان کی دلچسپی کی چیزیں عنایت فرماتے۔ ایک مرتبہ ایک خوبصورت ہار حضرت امامہ کے گلے میں ڈال دیا۔

حضرت انس جلیل القدر صحابی ہیں بچپن ہی سے ان کی والدہ ام سلیم نے انہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ ان کی تربیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں ہوئی۔ حضرت زید بن ثابت کے مزاج میں جو بردباری، مضبوط کردار اور مکارم اخلاق کی بلندی نظر آتی ہے وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا نتیجہ تھا رسول اللہ کی یہ شفقت و محبت صرف مسلمان بچوں تک محدود نہ تھی بلکہ غیر مسلم بچوں سے بھی بہت محبت و شفقت سے پیش آتے۔ ایک مرتبہ ایک یہودی بچہ بیمار ہوگیا تو رسول اللہ مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئے۔ رسول اللہ کی اس شفقت و محبت کا اس بچہ پر اس قدر اثر ہوا کہ اس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا[1] آپ کی عادت مبارک تھی کہ جب بچہ کو دیکھتے تو اس کے سر پر محبت کے ساتھ ہاتھ پھیرتے اور اس کے لئے دعا فرماتے۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بچوں کے پاس سے گزرتے تو انہیں سلام کرتے[2] بچوں کی تربیت کے لئے یہ کس قدر لطیف انداز ہے جو لوگ بچوں کی نفسیات کو سمجھتے ہیں وہ اس انداز تربیت کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

اس دور میں اگر بچوں کی صحیح طرح دیکھ بھال نہ کی جائے ان کی تربیت نہ کی جائے ان کے اخلاق و کردار کو نہ سنوارا جائے تو یہ بچوں کو تباہ کرنے کے مترادف ہوگا۔ قرآن کریم میں ہے۔

قد خسر الذین قتلوا اولادھم سفھا بغیر علم	جن لوگوں نے اپنے بچوں کو نادانی و لاعلمی سے قتل کر دیا وہ بہت نقصان میں ہیں[3]

صرف جسمانی طور پر قتل کر دینا ہی قتل نہیں ہے بلکہ انہیں بد اخلاق و بدکردار موذی و مہلک بنا دینا بھی قتل ہی کے مترادف ہے۔ اگر نادانی اور جہالت کی وجہ سے ان کی تربیت میں خامیاں رہ گئیں تو اس کا خسارہ پوری قوم کو بھگتنا ہوگا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین اور مردوں سے بھی اس بات پر بیعت لی تھی کہ وہ قتل اولاد نہیں کریں گے۔

---

[1] نووی، ریاض الصالحین ص ۴۰۲ [2] الجامع الصحیح للمسلم ج ۲ ص ۲۲۲ [3] الانعام ۱۴۰

ولا یقتلن اولادھن (الممتحنہ ۱۲) اپنے بچوں کو قتل نہیں کریں گی۔

یہ آیات ایک طرف تو جاہلیت کی رسم بد وأد البنات کے خلاف درس دے رہی ہیں دوسری طرف اخلاق و کردار کی تباہی سے بھی روک رہی ہیں۔ حضرت جابر بن سمرہ کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کا اپنے بچہ کو ادب سکھانا پیمانہ بھر کر صدقہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے[1]

تربیت یافتہ نیک اولاد کو صدقہ جاریہ قرار دیا ہے جس کی برکتوں سے انسان مرنے کے بعد بھی مستفید ہوتا رہتا ہے۔

لڑکوں کی بہ نسبت لڑکیوں کو معاشرہ میں زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ نہ ہی ان کی تربیت و پرورش میں کوئی خاص دلچسپی لی جاتی تھی۔ اسلام نے اس غیر منصفانہ طرز فکر کی اصلاح کی ہے اور بچیوں کی تربیت کو بھی اس قدر اہمیت دی ہے جس قدر بچوں کی تربیت کو حاصل ہے۔ رسول رحمتؐ کا فرمان ہے۔

من بتلی من ھذا البنات بشیئٍ فاحسن الیھن کن لہ ستراً من النار	جس شخص کو بچیوں کی پرورش کا موقع ملا اور اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو یہ بچیاں جہنم سے نجات کا سبب بن جائیں گی۔[2]

ایک اور روایت میں بہت جامع انداز میں تربیت بنات پر زور دیا گیا ہے۔

من عال ثلث بنات او مثلھن من الاخوات فادبھن ورحمھن حتی یغنیھن اللہ اوجب اللہ لہ الجنۃ فقال رجل یا رسول اللہ او اثنتین قال او اثنتین، حتیٰ لو قالوا او واحدۃ لقال واحدۃ۔	جس شخص نے تین بچیوں کی یا انہی کی مثل تین بہنوں وغیرہ کی پرورش کی۔ انہیں اچھے اخلاق سے آراستہ کیا ان کے ساتھ شفقت و رحمت کا سلوک کیا یہاں تک کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اس کی سرپرستی سے بے نیاز کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اسے جنت عطا فرمائیں گے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر کسی نے دو بچیوں کی اسی طرح تربیت کی تو کیا وہ بھی جنت کا حقدار بن جائے گا۔

آپ نے فرمایا ہاں۔ وہ بھی جنت کا حقدار ہوگا۔ اگر لوگ ایک بچی کے بارے میں پوچھ لیتے تو اس پر بھی حضور اقدس یہی جواب فرماتے[3] ایک حدیث میں ہے کہ بچیوں کی اچھی تربیت کرنے والا جنت میں میرے ساتھ اس طرح ہوگا۔ پھر

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق

[2] متفق علیہ، بخاری و مسلم

آپ نے اپنی دونوں انگلیاں ملا کر اشارہ کر کے بتایا کہ اس طرح ساتھ ساتھ۔

اسلام میں صرف کردار و اخلاق اور ادب و تربیت ہی پر زور نہیں دیا گیا بلکہ اقتصادی طور پر انہیں خوشحال اور آسودہ رکھنے کو بھی ضروری قرار دیا ہے اس بارے میں صحیح مسلم کی یہ حدیث راہ نمائی کرتی ہے۔

عامر بن سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں مرض الموت میں مبتلا ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس عیادت کے لئے تشریف لائے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری اس وقت جو حالت ہے وہ تو آپ دیکھ رہے ہیں۔ میں مالدار آدمی ہوں اور صرف ایک بچی میری وارث ہے۔ تو کیا میں اپنا دو تہائی مال خیرات نہ کر دوں۔ رسول اللہ نے فرمایا نہیں۔ میں نے پھر عرض کیا کہ اچھا آدھا مال خیرات کر دوں آپ نے فرمایا نہیں۔ صرف ایک تہائی مال صدقہ کر سکتے ہو۔ وہ بھی بہت ہے۔ اپنے بچوں کو مالدار و خوشحال چھوڑ جانا زیادہ بہتر ہے اس سے کہ وہ بعد میں لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتے پھریں۔[1]

قرآن و سنت کی تعلیمات کا اثر تھا کہ مسلمانوں میں خوب سے خوب تر پرورش اور تربیت کا اہتمام کیا جاتا رہا مسلمان مفکرین نے بھی اس مسئلہ پر خصوصی توجہ دی ہے۔ امام غزالی نے والدین، سرپرست اور اساتذہ کو خاص طور پر تربیت کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ امام غزالی لکھتے ہیں کہ "بچے کی اقبال مندی میں اس کے والدین اور سرپرستوں کا فرض ہے کہ بچوں پر پوری پوری توجہ دیں انہیں اچھے طور طریقے سکھائیں ان کی اخلاقی تربیت کریں اور بری صحبت سے بچائیں بچے کو محنت اور جفاکش زندگی کا عادی بنایا جائے۔ نہ کہ عیش و تنعم کا۔ خودداری، شرم و حیا اور خلوص اس کی نمایاں خصوصیات ہوں۔ اس کے دل میں مال و دولت کی ہوس کا بیج نہ بویا جائے کیونکہ یہی چیز بلاوجہ لڑائی جھگڑے کا باعث ہوتی ہے"[2]

بچوں کی تعلیم تربیت کا زمانہ اگرچہ تعلیم کے زمانہ سے پہلے شروع ہو جاتا ہے لیکن تعلیم کے ساتھ برابر جاری رہتا ہے۔ بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس لئے کہ تعلیم کا مقصد بھی تربیت اور تہذیب اخلاق ہے علم کی جو فضیلت اور اہمیت اسلام نے بیان کی ہے۔ اس کے پیش نظر ہمیشہ سے مسلمانوں میں یہ شوق رہا ہے کہ وہ بچوں کی تعلیم پر خاص توجہ دیں۔ بچپن کا زمانہ ہی ذہنی و عقلی نشوونما کا زمانہ ہے۔ بچپن میں حاصل کردہ علوم سے عہد جوانی اور پھر بڑھاپے میں بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ مسلم مفکرین نے تعلیم اطفال پر بہت کچھ لکھا ہے بوعلی سینا کے نزدیک ہر بچہ کو اس کی طبعی صلاحیتوں کے مطابق تعلیم دینی چاہیے۔ وہ اپنی مشہور تصنیف القانون میں لکھتے ہیں کہ:

"بچے کو قرآن حکیم اور زبان کی ابتدائی تعلیم کے بعد اس کی صلاحیتوں کے مطابق تعلیم دی جائے۔ اور اسے یہی

---

۱ مسلم ج ۲ ص ۴۷ ۲ الاحیاء ج ۳ ص

پیشہ اختیار کرنا چاہئے جس کے لئے قدرت نے اسے موزوں کیا ہے"

یہ ذمہ داری وہ اساتذہ پر ڈالتے ہیں کہ وہ طلبا کی مخصوص صلاحیتوں کا جائزہ لیں۔ اور پھر جو مضمون ان کے لئے بہتر ہو اس کی تحصیل کا انہیں مشورہ دیں[1]

امام غزالی کے نزدیک جب بچہ سن شعور کو پہنچ جائے تو اسے کسی اچھے مربی استاد کے سپرد کر دیا جائے۔ جو اسے مفید اور ضروری تعلیم دے اور اسے صحیح راہ نمائی کرتے ہوئے منزل مقصود تک پہنچائے[2]

علامہ ابن خلدون تعلیم کو بچوں کا بنیادی حق قرار دیتے ہیں۔ اور صرف اس طریقہ تعلیم کو مفید قرار دیتے ہیں جو ان میں تحقیق و جستجو کا مادہ پیدا کر سکے۔ علامہ ابن خلدون جو طریقہ تجویز کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ اساتذہ خود طلبا کے سامنے مسائل رکھیں اور علمی موضوعات پر ان سے گفتگو کریں۔ طلبا کے درمیان باہمی مباحثے کرائیں تاکہ طلبار اپنے مضمون میں مہارت حاصل کر سکیں۔ محض یاد کرنے اور رٹہ لگانے سے ملکہ پیدا نہیں ہوتا۔ نہ ہی تحقیقی نظر پیدا ہوتی ہے[3]

یتیم بچوں کی تعلیم و تربیت | اسلام نے یتیم بچوں کی تعلیم و تربیت ان کی نگہداشت اور ان کی کفالت کی ذمہ داری معاشرہ اور حکومت دونوں پر عائد کی ہے۔ جو بچے اپنے باپ کی شفقت اور محبت ان کی تربیت کفالت سے محروم ہو گئے ہیں انہیں ضائع ہونے سے بچانا ہمارا فرض ہے۔ بلکہ ان کی تربیت و پرورش اس انداز سے کرنی چاہئے کہ وہ کسی قسم کی احساس کہتری کا شکار نہ ہوں۔ علم کی دولت اور تربیت و فنون سے وہ صرف اس لئے محروم نہیں چاہئیں کہ وہ اپنے شفیق باپ کے سایہ سے محروم ہیں۔ قرآن حکیم نے یتیموں کے معاملہ میں معاشرہ کو جھنجھوڑا ہے انہیں خوب متنبہ کیا اور بتایا ہے کہ یہ یتیم بچے قابل عزت و احترام ہیں۔

کلا، بل لاتکرمون الیتیم ۔ دیکھو تم یتیموں کا اعزاز نہیں کرتے[4]

یتیم بچوں کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرنا چاہئے۔

ویسئلونک عن الیتمیٰ قل اصلاح لہم خیر ۔ لوگ یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ فرما دیجئے کہ ان کی اصلاح و بہتری کے کام انجام دینا ہی بہتری ہے[5]

یتیم بچے زیادہ محبت و ملاطفت کے مستحق ہیں۔ ان کے ساتھ ترش روئی کے ساتھ پیش آنا یا سخت برتاؤ کرنا مناسب نہیں۔

فاما الیتیم فلا تقھر ۔ یتیم پر سختی نہ کرو[6]

---

[1] احمد شلبی: تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ ص ۱۳۷ [2] الاحیاء ص ۱۵۹ [3] مقدمہ ابن خلدون۔ باب ۶ فصل ۲ ص ۱۱۶
[4] الفجر ۲۱ [5] البقرہ ۲۲ [6] الضحیٰ ۹

بلکہ یتیموں کے ساتھ احسان کا سلوک کرنے کا حکم ہے۔

وبالوالدین احسانا وذی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین — والدین، رشتہ داروں، یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرو۔[۵]

اس آیت مبارکہ میں حقوق کی ترتیب والدین اور اقربا کے فوراً بعد یتیموں کا ذکر اس بات کی اہمیت کو ظاہر کر رہا ہے جو اسلامی معاشرہ میں اور اسلامی نظام میں انہیں حاصل ہے۔ یتیموں کا مال امانت ہے کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس میں کسی قسم کی خیانت کرے۔

ان الذین یاکلون اموال الیتمیٰ ظلما انما یاکلون فی بطونہم نارا وسیصلون سعیرا — یقیناً جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھا جاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔ جلد ہی جہنم میں جھونکے جائیں گے

یتیموں کی حالت بہتر بنانے کے لئے مال غنیمت اور مال فے میں باقاعدہ یتیموں کا حصہ رکھ دیا گیا ہے۔ سورہ انفال آیت ۴۱ اور سورہ حشر آیت ۷ میں مال غنیمت اور فے کے مصارف میں ایک اہم مصرف یتیم بچوں کو بنایا گیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

خیر بیت فی المسلمین بیت فیہ یتیم یحسن الیہ۔ وشر بیت فی المسلمین فیہ یتیم یساء الیہ — مسلمانوں کے گھرانوں میں بہتر گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم زیر پرورش ہو، اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو

یہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی ہمیں بچوں کی اہمیت کا احساس دلا رہی ہیں۔ آج کے بچے ہی کل کے معاشرہ کی روح و بنیاد ہیں۔ ان کی تربیت و اصلاح، ان کی تعلیم اور ان کی فلاح و بہبود کے کاموں میں کوئی کوتاہی ناقابل معافی جرم ہوگا۔

[۵] البقرہ ۸۳ [۶] النساء ۱۰

از ڈاکٹر محمد حنیف صاحب، پروفیسر شعبۂ دینیات
اسلامیہ کالج پشاور

ایک صوفی منش فرمانروا
احمد شاہ ابدالی رحمۃ اللہ

آپ کا نام احمد خان اور والد ماجد کا نام زمان خان تھا۔ نسباً افغان تھے اور ابدالی قبیلہ کی سدوزئی شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۱۳۵ھ ۱۷۲۳ء میں ہرات میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۱۸۶ھ ۱۷۷۲ء کو رحمت حق سے پیوست ہو گئے۔ آپ کا مزار قندھار میں واقع ہے۔[۱]

ملتے را داد ذوقِ جستجو قدسیاں تسبیح خواں بر خاک او (اقبالؒ)

احمد شاہ بابا بہت سی انسانی خوبیوں کے مالک تھے۔ اور جہان بانی اور جہاں رانی کے لیے جن اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے خداوند تعالیٰ نے آپ کو بدرجہ کمال ودیعت فرمائے تھے۔ آپ کی فتوحات اور کارنامے آپ کی خداداد صلاحیتوں کے آئینہ دار ہیں۔ واقف نے ایک بار ملاقات کے موقع پر آپ کے اوصاف کی ترجمانی کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا تھا[۲]

ندیدہ ہیچ کس ظلِّ پیمبر[۳] بحمد اللہ کہ ظل اللہ دیدم[۴]

نادر شاہ افشار (متوفی ۱۱۶۰ھ ۱۷۴۷ء) اکثر کہا کرتا تھا کہ

میں نے ایران، توران اور ہندوستان میں کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جس کے اندر وہ صلاحیتیں ہوں جو احمد شاہ میں موجود ہیں[۵] وہ ایک ستودہ خصال نوجوان ہے اور اس کی نظیر سے دنیا خالی نظر آتی ہے۔[۶]

ہم سپاہی، ہم سپہ گر، ہم امیر با عدو فولاد و با یاران حریر (اقبال)

۱؎ روزنامہ ہیواد کابل ۲۳ جنوری ۱۹۷۶ء تا ۲۲ فروری ۱۹۷۶ء بحوالہ احمد شاہی تاریخ از محمود الحسینی، درباری منشی احمد شاہ بابا ۲؎ احمد شاہ بابا کے شاعر نور العین واقف کا بڑا مداح تھا۔ آپ نے ایک بار ان کو قندھار بلایا۔ قندھار میں شرف باریابی کے وقت واقف نے یہ شعر پڑھا تھا۔ (احمد شاہ از گنڈا سنگھ اردو ترجمہ از رئیس احمد جعفری ۱۹۷۲ء ص ۴۴۵) ۳؎ احمد شاہ از گنڈا سنگھ ص ۱۴۴ ۴؎ دولت درانیہ مطبوعہ قومی پریس دہلی ۱۳۲۱ھ ص ۷

مثلِ فاتحؒ[1] آں امیرِ صف شکن | سکّہ ہم زد با قلیمِ سخن
از دل و دستِ گہر ریزے کہ داشت | سلطنت ہا برد و بے پروا گذاشت
نکتہ سنج و عارف و شمشیر زن | روح پاکش با من آمد در سخن (اقبال)

حضرت احمد شاہ بابا ایک عالم، عادل، فقیر طبع، فقیر دوست، دیندار اور غیرت ایمانی سے سرشار فرماں روا تھے ایک معاصر تذکرہ نگار شیخ نور محمد سواتی لکھتے ہیں کہ :-

پل رحمت پہ کل افغان شہ	تمام افغانوں پر خداوند تعالیٰ کا یہ فضل و احسان ہوا
چہ ئے شاہ "درّ درّان" شہ	کہ (احمد شاہ) دُرّ درّان ان کے بادشاہ مقرر ہوئے
ہم عالم وو ہم سنّی وو	وہ عالم بھی تھے اور سُنّی بھی
فقیر دوست وو بنہ دینی وو	فقیر دوست تھے اور بہت دیندار
چہ دادخواہ در دست جہان شہ	تمام دنیا کی دادرسی کی (جب)
احمد شاہ غازی سلطان شہ[2]	غازی احمد شاہ تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے

ایک اور معاصر مناقب نگار مولوی دادین کا بیان ہے

چہ بادشاہ دین پناہ احمد شاہ وو
ننگیالے دوین پہ کار کینس بہ جاہ وو[3]

یعنی احمد شاہ درّانی دین کے معاون اور محافظ بادشاہ تھے وہ غیوّر و غیرت مند تھے۔ اور دین کے باب میں جمشید بادشاہ کے مرتبے کے سخی تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کا دور علم و علماء کی قدردانی کا دُور تھا۔ آپ کی علم پروری کے بارے میں چشم دید حالات بیان کرتے ہوئے ابن منیر رقم طراز ہیں :-

(آپ کی تخت نشینی کے بعد) دوبارہ ہر جگہ علم کی قدر و قیمت پیدا ہوئی اور جہالت کا بیڑہ غرق ہو کر آہ و بکا کرنے لگی[4]

علم پروری اور علماء کی قدردانی کو آپ نے اپنی زندگی کا مشن بنایا ہوا تھا۔ اپنے فرزند ارجمند تیمور شاہ درّانی

---

[1] فاتح قسطنطنیہ سلطان محمد فاتح [2] نور البیان (قلمی) از نور محمد قریشی سن تالیف ۱۱۵۸ھ ص ۹ [3] مناقب حضرت میاں محمد عمر چمکنی (قلمی) از مولانا دادین ۱۲۱۹ھ ص ۱۴۳

[4] مناقب غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ (قلمی) از ابن منیر ص ۳۳

(متوفی ۱۲۰۷ھ ۱۷۹۲ء) کو پند و نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

مجالس علماء و فضلاء تشکیل نما و از ایشان دعوت نما و بوسیلہ ارباب علم و فضل خود را بہ امور مذہب، طبعیات و جمیع علوم واقف نما و امور سلطنت را بہ دستیاری اتفاق و نظریات اہل علم و دانش بپا دار[۱]

علماء و فضلاء کی مجالس منعقد کیا کرو۔ ان کی دعائیں لیا کرو ارباب علم و فضل کے ذریعے امور مذہب، طبعیات اور دیگر تمام علوم سے واقفیت حاصل کیا کرو۔ اور اہل علم و دانش کے اتفاق و نظریات کی مدد سے امور سلطنت انجام دیا کرو۔

ایک جلیل القدر فرماں روا، ایک جنگ آزما مجاہد، ایک دور اندیش سیاستدان اور ایک عظیم مدبّر کی حیثیت سے آپ کی عظمت شان کا اندازہ لگانے کے لئے یہ شہادت کافی ہے کہ ۱۱۶۰ھ ۱۷۴۷ء میں آپ نہایت بے سر و سامانی کی حالت میں تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے مگر اس کے باوجود پانچ چھ برس کی قلیل مدت میں مشہد مقدس سے لے کر دہلی تک تمام مخالف قوتوں کو زیر کر کے اپنی بالادستی کا لوہا منوا لیا۔ جہاں تک آپ کے حالات زندگی، شمائل و خصائل اور جنگی مہمات کا تعلق ہے تو اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ ان تمام کارناموں کی تفصیل میں جانا ہماری دائرۂ بحث سے خارج ہے۔ ہم یہاں آپ کی خدا ترسی، علم دوستی، تصوّف کے ساتھ لگاؤ اور علمائے کرام اور بزرگان عظام کے ساتھ آپ کی عقیدت و محبت کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں۔

احمد شاہ بابا کے درباری منشی محمود الحسینی کا بیان ہے کہ قندہار کے تاریخی قومی جرگے میں جب احمد شاہ کا نام بادشاہت کے لئے پیش ہوا تو آپ نے یہ کہہ کر بادشاہت سے انکار کر دیا کہ :-

"میں نہیں چاہتا کہ دنیاوی کاموں میں مصروف ہو جاؤں۔ میں چاہتا ہوں کہ دنیاوی علائق سے الگ تھلگ رہ کر زندگی بسر کروں[۲]"

مگر بعد میں جب صابر شاہ درویش (۱۱۶۰ھ ۱۷۴۷ء) نے آپ کو بادشاہی قبول کرنے کی ہدایت کی تو پھر آپ آپ یہ ذمہ داری قبول کرنے کے لئے رضامند ہو گئے[۳]

آپ ایک پاک نفس اور صوفی منش آدمی تھے اور خدا جوئی کا سچا ذوق رکھتے تھے۔ خدا کی درگاہ میں دعا کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ :-

"اے اللہ میں اپنے گناہوں سے شرمندہ ہوں اور تجھ ہی سے التماس کرتا ہوں کیونکہ تیری درگاہ میں آکر تیری رحمت سے کوئی مایوس نہیں گیا۔ اے خدایا! تیری رحمت کی کوئی حد نہیں۔ اور میرے گناہ بے پایاں

ل۔ تیمور شاہ درانی از عزیز الدین وکیلی مطبوعہ کابل ۱۳۴۶ھ ج ا ص ۳۵ ۔ ۳،۲ ۔ روزنامہ ہیواد کابل ۱۳ر جنوری ۱۹۷۶ء بحوالہ احمد شاہی تاریخ از محمود الحسینی (قلمی) ص ۲۲،۲۳

ہیں۔ اپنے عمل پر بھروسہ نہیں۔ کلمۂ طیبہ کا سہارا لیتا ہوں۔ اپنے گناہوں پر نظر پڑتی ہے تو کہتا ہوں کہ کاش میں خس و خاشاک ہوتا۔ اے اللہ! میری سرشت گناہوں اور خواہشات نفسانی میں آلودہ ہے۔ ہزار کوشش کروں شیطان سے نجات نہیں ملتی اگر دل کو برائی سے بچانا ممکن ہو تو بھی آنکھوں کو (گناہوں سے) بچانا ممکن نہیں ہے۔ اے احمد! خدا سے مدد مانگو۔ اور دولت وجاہ پر اعتماد نہ کر"۔[۱]

آپ اپنا بیشتر وقت درباری علماء کے ساتھ دینی مسائل پر گفتگو اور بحث و تمحیص میں گذارا کرتے تھے۔[۲] آپ کے دربار میں شیخ الاسلام قاضی ادریس خان، قاضی فیض اللہ خان قندھاری۔ ملا گل محمد۔ ملا شریف۔ ملا عبد الغفار اور مرزا عبد اللہ خان جیسے مایہ ناز علماء ہر وقت موجود رہتے[۳] ہر جمعرات علماء اور فقراء آپ کے یہاں کھانے پر آتے اور مذہب و دیگر علوم کے بارے میں تبادلہ خیالات کرتے تھے۔[۴]

۱۱۶۰ھ ۱۷۴۷ء میں پہلی بار جب لاہور پر لشکر کشی کا ارادہ کیا تو روانہ ہونے سے پہلے ننگرہار، پشاور، پنجاب سندھ، کشمیر اور ہند کے مشائخ و علماء کرام کے نام خطوط روانہ کیے۔ اور اپنے ارادے کی اطلاع دیتے ہوئے ان سے دعا کی درخواست کی۔ اس موقع پر جن حضرات کے نام خطوط ارسال کیے گئے تھے ان میں سے چند کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ شیخ محمد عمر پشاوری (متوفی ۱۱۹۰ھ ۱۷۷۶ء)
(۲) شیخ محمد سعید لاہوری (متوفی ۱۱۶۶ھ ۱۷۵۲ء)
۳۔ میاں ثناء اللہ دہلوی
۴۔ سید محمود بن سید علی
۵۔ میاں عثمان
۶۔ سید نجیب کنڑی
۷۔ شیخ شکر اللہ تتوی
۸۔ شاہ بہلول جالندھری
۹۔ میاں رحمت اللہ لاہوری
۱۰۔ خواجہ محمد اعظم دومری کشمیری (متوفی ۱۱۸۵ھ ۱۷۷۱ء)
۱۱۔ خواجہ شیخ کمال الدین کشمیری (متوفی ۱۱۸۸ھ ۱۷۷۴ء)

جب پشاور پہنچے تو وزیر اعظم شاہ ولی خان درانی (متوفی ۱۱۸۶ھ ۱۷۷۲ء) اور سپہ سالار سردار جہان خان خوگیانی (متوفی ۱۱۹۱ھ ۱۷۷۷ء) کو حضرت مجدد الف ثانی (متوفی ۱۰۳۴ھ ۱۶۲۶ء) کے فرزند سوم عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ

---

[۱] دیوان احمد شاہ ابدالی مطبوعہ پبلک آرٹ پریس پشاور ۱۹۶۳ء ص ۱۹۷۔ پشتو [۲] روزنامہ ہیواد کابل یکم فروری ۱۹۷۶ء بحوالہ احمد شاہی تاریخ [۳] تفصیل کے لئے دولت درانیہ، تیمور شاہ درانی ج ۱۔ درۃ الزمان، مناقب میاں محمد عمر از مسعود گل اور مناقب میاں محمد عمر از مولوی دادین ملاحظہ فرمائیے [۴] احمد شاہ از گنڈا سنگھ (ترجمہ از رئیس احمد جعفری) مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی ۱۳۹۷ھ ص ۲۴۴

محمد معصوم (متوفی ۱۰۷۹ھ) کے پرپوتے حضرت شاہ غلام محمد معصوم ثانی کی خدمت بابرکت میں روانہ کیا اور ان سے دعا اور رہنمائی کی التجا کی۔[1]

پشاور میں مختصر قیام کے دوران حضرت میاں محمد عمر چمکنی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔[2] پھر حضرت موصوف کی ایما پر حضرت شیخ محمد یحییٰ المعروف بہ حضرت جی اٹک (متوفی حدود ۱۱۲۶ھ ۱۷۱۴ء) کی خانقاہ پر حاضری دی[3] اور ۱۱۶۱ھ ۱۷۴۸ء کو جب لاہور میں داخل ہوئے تو حضرت شیخ محمد سعید لاہوری کے شرف ملاقات سے مشرف ہوئے۔[4]

علماء و صلحاء کے ساتھ از حد اکرام و احترام کا سلوک کرتے تھے یہاں تک کہ:۔

"دربار میں سلطنت کے اعلیٰ عہدیدار اور امراء آپ کے سامنے ایستادہ رہتے تھے مگر سادات اور علماء کو کرسی ملتی تھی"۔[5]

علاوہ ازیں حضرت احمد شاہ بابا اولیاء اللہ رحمہم اللہ کے مزارات پر بھی عقیدت مندانہ حاضری دیا کرتے تھے۔ ۱۱۷۳ھ ۱۷۶۰ء میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء (متوفی ۷۲۵ھ ۱۳۲۵ء) کے مزار کی زیارت کی، پانی پت میں شیخ بو علی قلندر (متوفی ۷۲۴ھ ۱۳۲۴ء) کی درگاہ میں حاضر ہوئے۔ اور بٹالہ کے قیام کے دوران باقاعدہ وہاں کے اولیاء کے مزارات پر حاضری دیا کرتے تھے۔[6]

پشاور کے مشہور ولی اللہ حضرت میاں محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تو پیری مریدی کا تعلق تھا۔[7] آپ کے روحانی کمال سے بے حد متاثر تھے۔ ہند کی جنگی مہمات کے سلسلے میں جب پشاور آتے تو پہلے آپ کی قیام گاہ چمکنی پر حاضر ہو کر قدم بوسی کا شرف حاصل کرتے اور واپسی پر بھی پہلے آپ کے حضور میں جا کر سلامی دیا کرتے تھے۔[8]

دے محکم وو پہ اخلاص پہ اعتقاد	آپ اخلاص و اعتقاد میں بڑے مضبوط تھے
پہ خدمت د میا نصاحب وو دے منقاد	اور حضرت میاں محمد عمر چمکنی کے بہت تابع فرمان تھے
چہ بہ راغے پیبنور تہ نور بہ تل	جب کبھی بھی پشاور آجاتے
پہ گلزار د چمکنو بہ وو بلبل[9]	تو مثل بلبل گلزار چمکنی میں ضرور حاضر ہوتے

احمد شاہ بابا اپنی بادشاہت کو حضرت میاں صاحب کی دعاؤں کا نتیجہ سمجھتے تھے۔[10] آپ کی ہدایات اور مشورو

---

[1] تیمور شاہ درانی ج ۲ ص ۶۷۸ [2] مناقب میاں محمد عمر چمکنی از مولانا مسعود گل مطبوعہ دہلی ۱۲۹۹ھ ص ۶۸۔ مجموعہ نظم ہائے افغانی صہ ۲ [3] احمد شاہ از گنڈا سنگھ (اردو ترجمہ) صہ ۱۲۴ [4] ایضاً صہ ۴۴۲ [5] ایضاً [6] مناقب از مسعود گل ص ۳۱، ۶۵، ۶۸۔ مناقب از مولانا دادین صہ ۷۳۔ نور البیان صہ ۳۹ [7] مناقب از مسعود گل صہ ۶۸، ۶۵، ۶۶ [8] ایضاً صہ ۳۱ [9] مناقب از مسعود گل صہ ۳۱

کو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے[1] اور جب کوئی مشکل پیش آتی تو آپ سے دعا کی درخواست کیا کرتے تھے۔ آپ کی سفارش پر لوگوں کو جاگیریں اور مناصب دیا کرتے۔ علاقہ کمال زئی میں قاضی قابل اور پشاور میں حافظ میر عبداللہ کو آپ کی ہدایت پر قضا کے عہدے دیئے گئے۔ اور بلند خان ساکن زیدہ کو بھی آپ کے کہنے پر علاقہ چھچھ و اُتمان نامہ کا حاکم مقرر کر کے معقول جاگیر عطا کر دی گئی[2] اس کے علاوہ احمد شاہ بابا نے اپنے پیر و مرشد کی خانقاہ اور لنگر خانہ کے اخراجات کے لئے تیرہ ہزار جریب زمین بطور سیری (عطیہ) دے دی تھی[3]

کمال محبت اور عقیدت مندی کا یہ حال تھا کہ موضع چمکنی کی حدود میں داخل ہونے سے پہلے بارہ پل کے قریب شاہی سواری سے اترتے اور پاپیادہ حاضر ہو کر ملاقات کا شرف حاصل کیا کرتے تھے[4]

سکھائے فقر کے آداب تو نے بادشاہی کو جلالِ قیصری بخشا جمال خانقاہی کو[5]

حضرت میاں صاحب چمکنی احمد شاہ کو خدا کی اطاعت، عدل و انصاف اور خدمت خلق کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ

"ہر وقت اپنے خالق و مالک کا فرماں بردار رہو۔ مخلوق تمہارا تابع فرمان رہے گی۔ یاد رکھو! اگر تم نے خالق سے بغاوت کی مخلوق کا غلام ہو گے۔ نماز پابندی سے ادا کیا کرو۔ نشہ سے اجتناب کرو اگر تم بے نمازی اور نشائی ہو گے تو رعیت بھی بے نمازی اور نشائی ہو جائے گی۔ اور نتیجۃً تم سے بغاوت کرے گی"[6]

احمد شاہ بابا کی سیرت و کردار پر آپ کے پند و نصائح اور روحانی فیوضات و برکات کا بہت گہرا رنگ چڑھا ہوا تھا وہ انتظامی امور میں دروغ گوئی سے ہمیشہ حد درجہ احتراز کرتے تھے۔ اور ایک صادق القول اور راسخ العقیدہ باعمل مسلمان کی حیثیت سے نہایت پر سکون اور پاک زندگی گذارتے تھے[7]

تمنا درد دل کی ہو تو خدمت کر فقیروں کی نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں (اقبال)

---

[1] احمد شاہ از گنڈا سنگھ صہ ۸۵۔ ننگیالی پښتانه (پشتو) از الحاج محمد خان میر ہلالی طبع پشاور ۱۳۷۷ھ ص ۱۲۹، ۱۴۰
[2] مناقب از مسعود گل صہ ۱۷، ۱۸، ۲۶، ۲۷، ۳۳، ۳۶، ۳۸ [3] میاں محمد عمر چمکنی از نصر اللہ خان نصر مرحوم طبع پشاور ۱۹۵۱ء صہ ۱۱، تحفۃ الاولیاء از قاضی میر احمد شاہ پشاوری مطبوعہ مفید عام پریس لاہور ۱۳۲۱ھ ۱۹۰۳ء صہ ۴۳، ۴۶ تاریخ پشاور۔ از گوپال داس صہ ۴۷۶ [4] ماہنامہ اباسین اولیائے کرام نمبر اپریل ۱۹۶۴ء ص ۱۰۸۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ طبع لاہور ۱۹۷۱ء ج ۵ (میاں عمر صاحب) [5] مناقب از مسعود گل ص ۲۵ [6] رمزی اٹاوی کا شعر حضرت مولانا تھانوی کی مدح میں
[7] اباسین اولیائے کرام نمبر صہ ۱۰۷ [8] اولیائے کرام نمبر ۱۰۷

احمد شاہ بابا کی عظمت شان، دینداری اور دین پسندی کا اس سے بڑھ کر ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے نامور مجدد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ ۱۷۶۲ء) نے جب مسلمانوں کو کفار کے دست ظلم سے نجات دلانے اور دین محمدیؐ پر کفار کے یلغار کی روک تھام کے لئے اپنی مہم کا آغاز کیا۔ اور ایک مصلح، بہادر اور غیور مسلمان بادشاہ کی تلاش میں چار دانگ دنیا میں اپنی دوربین نظر دوڑائی تو نظر انتخاب آپ ہی کی ذات گرامی پر آپڑی چنانچہ آپ کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ

"اس زمانے میں ایسا بادشاہ جو صاحب اقتدار و شوکت ہو اور لشکر کفار کو شکست دے سکتا ہو دور اندیش اور جنگ آزما ہو۔ سوائے آں جناب کے اور کوئی موجود نہیں ہے یقینی طور پر جناب عالی پر عین فرض ہے ہندوستان کا قصد کرنا اور مرہٹوں کا تسلط توڑنا اور ضعفائے مسلمین کو غیر مسلموں سے پنجے سے آزاد کرنا اگر غلبہ کفر معاذ اللہ! اس انداز پر رہا تو مسلمان اسلام کو فراموش کر دیں گے اور تھوڑا زمانہ گذرے گا کہ یہ ایسی قوم بن جائے گی کہ اسلام اور غیر اسلام میں تمیز نہ کر سکے گی یہ بھی ایک بلائے عظیم ہے اس کے دفع کرنے کی قدرت بفضل خداوندی جناب کے علاوہ کسی اور کو میسر نہیں ہے" [۱]

حضرت احمد شاہ بابا کو جب حضرت شاہ ولی اللہ کا یہ درد انگیز خط ملا اور مسلمانان ہند کی حالت زار کا علم ہوا تو فوراً ہی پر لشکر کشی کی نیت سے پشاور کا رخ کیا۔ اور حضرت میاں محمد عمر چمکنی کی خدمت میں حاضر ہو کر طالب دعا ہوئے۔ آپ نے اپنے نیک سیرت مرید کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"تمہارے دل میں اسلام کی محبت موجود ہے جو بادشاہت اقتدار میں تمہیں دی گئی تھیں ان پر تمہارا عمل رہا ہے میں تمہیں کامیاب دیکھتا ہوں۔ تمہارا سینہ غیرت ایمانی سے لبریز ہے۔ انشاء اللہ تمہاری فتح یقینی ہے تمہارے لشکر میں خدا کے نیک بندے شامل ہیں۔ مرہٹے تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جاؤ خدا تمہیں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار فرمائے۔ آمین"

تاریخ شاہد ہے کہ ان نیک اللہ والوں کی دعاؤں کی بدولت باوجود قلت سازوسامان اور قلت تعداد کے اپنے سے کئی گنا طاقت ور اور کیل کانٹے سے لیس لشکر کو مولی گاجر کی طرح کاٹ کر میدان پانی پت میں ڈھیر کر دیا۔ اور حضرت

---

[۱] حضرت شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات بنام شاہ ہے" اس سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہ نے حضرت میاں محمد عمر چمکنی کو بھی خط ارسال فرمایا تھا اور کفار ہند کے خلاف تحریک چلانے کے بارے میں دونوں میں بہت گہرا ربط قائم تھا یہی وجہ ہے کہ اس جنگ میں حضرت موصوف کے ۱۲ ہزار مریدین و خلفا مجاہدانہ شریک ہوئے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا کہ تمہارے لشکر میں خدا کے نیک بندے شامل ہیں دشمن تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

شاہ ولی اللہ کے سجائے ہوئے میدان کارزار " میں ان کو ایسی شکست فاش دی جس نے تاریخ کا رخ ہمیشہ ہمیشہ کے بدل دیا۔

حضرت احمد شاہ بابا نہ صرف یہ کہ علم و علماء اور تصوف و صوفیا کے قدردان تھے۔ بلکہ آپ خود بھی ایک عالم و فاضل سالک اور میدان کے ایک تجربہ کار شہسوار تھے۔ آپ کا دیوان اس بات کا قطعی ثبوت فراہم کرتا ہے کہ آپ راہ سلوک کے تمام احوال و مقامات اور روحانیت کے تمام اسرار و رموز سے کافی واقفیت رکھتے تھے۔

شاعر مشرق علامہ محمد اقبال آپ کی شان میں فرماتے ہیں :-

مرد ابدالی وجودش آیتے	داد افغاں را اساس ملتے
آں شہیدان محبت را امام	آبروئے ہند و چین و روم و شام
نامش از خورشید و مہ تابندہ تر	خاک قبرش از من و تو زندہ تر
عشق رازے بود بر صحرا نہاد	تو ندانی جان چہ مشتاقانہ داد
از نگاہ خواجۂ بدر و حنین	فقر سلطاں وارث جذب حسین
رفت سلطاں زیں سرائے ہفت روز	نوبت او در دکن باقی ہنوز[۱]

[۱] جاوید نامہ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ ص ۱۷۳

بقیہ دینی مدارس کی عظمت - از صفحہ ۲۸

کوئی بھی اس کا مستقل ذریعہ آمدنی نہیں ہے۔ میرا پورا تعلق ہے حضرت مولانا عبدالحق صاحب سے۔ ان کی کوئی آمدنی نہیں ہے مستقل۔ آج ہے پتہ نہیں کل ہے کہ نہیں۔ سب توکلاً علی اللہ کام چل رہا ہے۔ پھر آپ دیکھتے ہیں کہ زمین پر بیٹھ کر یہ طلباء و علماء پڑھ رہے ہیں۔ خالص دینی ماحول ہے۔ جو ماضی کی شاندار روایات کی یاد دلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس دارالعلوم کو بھی مزید ترقی عطا فرمائے۔ اور دیگر دینی مدارس کو بھی دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ حضرات کو بھی اپنے فضل سے نوازے اور حکومت کے ہر شعبہ میں دنیا کے ساتھ ساتھ دین کو بھی صحیح مقام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ تاکہ ہمارا یہ ملک عالم اسلام کے لئے ایک نمونہ بن سکے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

افکار و تاثرات

* امام ابوحنیفہؒ افغانی النسل تھے یا فارسی النسل ؟
* شیخ رحمکار اور عبدالحکیم سیالکوٹی کا سن وفات
* مدیران جرائد اور اخلاقیات نبویؐ
* وفیات

الحق صفر المظفر ۱۴۰۲ھ میرے سامنے ہے۔ آگاہی ہوئی۔ ڈاکٹر ابوالفضل بخت روان صاحب اپنے مضمون "ملت افغان اور عربی زبان و ادب کی خدمات" میں لکھتے ہیں۔ کہ" امام ابوحنیفہؒ کے آباؤ اجداد کابل کے تھے جو قیدی بنا کر کوفے جائے گئے" موصوف کے اس دعوی کا تاریخی حقائق سے کوئی تعلق نہیں۔ گو کہ غلام ہونا کوئی شرعی عیب نہیں۔ کئی صحابہ غلامی کی زندگی گذار چکے تھے۔ نیز امام حسن بصری، ابن سیرین، طاؤس، عطا بن یسار، نافع عکرمہ اور مکحول خود یا ان کے آباؤ اجداد غلام رہ چکے تھے۔

یہ بات عموماً مسلم ہے کہ امام صاحب عجمی النسل تھے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کس نسل سے تھے اور عرب میں کیونکر آئے۔ (سیرۃ النعمان از شبلی) امام ابوحنیفہ کے دادا زوطی جن کا اسلامی نام نعمان ہے سب سے پہلے عرب میں آئے۔ یہ صحابہ کا دور تھا۔ کافی عرصہ عرب میں ان کی حالت بیگانگی کی رہی۔ معاشرتی ضرورتوں نے زوطی کو مجبور کیا کہ وہاں (عرب) کے رہنے والوں سے دوستانہ تعلقات پیدا کریں۔ یہ طریقہ عرب میں عام طور پر جاری تھا۔ اس قسم کے تعلق کو ولا کہتے ہیں جس کا مشتق مولیٰ ہے اور مولیٰ غلام کو بھی کہتے ہیں اس لئے بعض لوگوں نے لفظی مشارکت سے امام ابوحنیفہؒ کے خاندان کو غلام سمجھ لیا۔

بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ زوطی کابل سے گرفتار ہو کر آئے اور قبیلہ بنی تیم اللہ کی ایک عورت نے خریدا کچھ دنوں غلامی میں رہے پھر اس نے آزاد کر دیا اس لئے امام ابوحنیفہ کا خاندان بنی تیم اللہ کہلاتا ہے" اسی سے غالباً ڈاکٹر صاحب موصوف نے امام کو کابلی اور غلام سمجھ لیا۔ لیکن یہ روایت غلط ہے کیونکہ اس کے مقابلہ میں امام صاحب کے پوتے اسماعیل کی روایت ملتی ہے۔ جو ہر اعتبار سے صحیح اور ثقہ ہے چنانچہ خطیب مورخ بغدادی امام صاحب کے پوتے کی یہ روایت نقل کی ہے۔

"میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں۔ ہم لوگ نسل فارس سے ہیں اور کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آئے۔ ہمارا دادا ابوحنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ثابت بچپن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ انہوں نے ان کے خاندان کے حق میں

دعائے خیر کی تھی۔ ہم کو امید ہے کہ وہ دعا بے اثر نہیں رہی۔" (تاریخ بغداد لابن جوزی۔ ترجمہ امام ابوحنیفہ)

اس واضح روایت کے بعد امام کے افغانی اور غلام ہونے کا شک رفع ہو جانا چاہئے۔ کیونکہ امام کے پوتے نے تصریح کر دی ہے کہ ہم فارسی النسل اور آزاد ہیں۔

اسماعیل کو یہ بات کہنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی اس کا جواب علامہ شبلی یوں دیتے ہیں۔

"لفظی مشارکت سے بعضوں نے زوطی کو غلام سمجھ لیا اور رفتہ رفتہ یہ خیال روایت کی شکل پکڑ کر کسی قدر عام ہو گیا۔ جس کی وجہ سے اسماعیل کو دفع کرنا پڑا۔ کہ" واللہ ہمارا خاندان کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آیا۔" اسماعیل نہایت ثقہ اور معزز شخص تھے۔ اس وجہ سے دقیقہ سنج مورخوں نے اس بحث میں انہی کی روایت پر اعتماد کیا ہے کہ صاحب البیت ادری بما فیہا۔"

(سیرت النعمان از علامہ شبلی)

مشارکت لفظی: یہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ مولیٰ لفظ ولی سے مشتق ہے اور ولا اس تعلق کو کہتے ہیں جو عرب میں خاندانوں کا ایک دوسرے سے ہوتا تھا۔ اور غلام کو بھی مولیٰ کہتے ہیں اس لئے لوگوں نے غلام سمجھ لیا۔ حالاں کہ امام صاحب کا خاندان بنی تیم اللہ کا مولیٰ (غلام) نہیں تھا بلکہ مولیٰ (حلیف) تھا۔ چنانچہ قاضی حمیری نے صاف تصریح کی ہے کہ" زوطی بنی تیم اللہ کے حلیف یعنی ہم قسم تھے (قلائد عقود الجمان) اور مولیٰ حلیف کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ امام نووی لکھتے ہیں۔ کہ" مولیٰ کا لفظ زیادہ تر حلیف ہی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے (مقدمہ تہذیب الاسماء و اللغات)

ڈاکٹر صاحب موصوف نے جو کابل سے گرفتار ہو کر آنے اور افغانی ہونے کا ذکر کیا ہے اس کے متعلق محقق شبلی لکھتے ہیں۔" یہ قصہ بھی غلط ہے کہ وہ کابل سے گرفتار ہو کر آئے۔ زوطی کے باپ دادا کا نام فارسی زبان کے ہیں۔ خود امام ابوحنیفہ کی نسبت ثابت ہے کہ وہ خاندانی حیثیت سے فارسی زبان جانتے تھے یہ ظاہر ہے کہ کابل کی زبان فارسی نہ تھی۔ (سیرت النعمان)

اور یہ تو ڈاکٹر صاحب کو بھی تسلیم ہے کہ افغانستان میں غزنی خاندان کے دور حکومت سے فارسی زبان آئی تھی۔ (دیکھئے ماہ نامہ الحق ص ۳۴ صفر ۱۴۰۲ھ)

امام صاحب کے والد ثابت کوفہ میں پیدا ہوئے اور خود امام صاحب ۸۰ھ کوفہ میں پیدا ہوئے اس لحاظ سے امام عربی زبان جانتے تھے۔ اور خاندانی زبان ہونے کی وجہ سے فارسی بھی جانتے تھے۔ جو کابل کی زبان بالکل نہ تھی۔ امام کے سن ولادت میں مورخین ۶۱ھ اور ۶۳ھ کے قول بھی نقل کرتے ہیں لیکن پہلا قول ۸۰ھ کا ہی زیادہ صحیح ہے اور اسی پر وثوق ہے۔ اس تمام بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کابلی نہیں بلکہ فارسی النسل تھے۔ اس سلسلہ میں

ایک حدیث بھی قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگی۔

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دین ثریا کے پاس بھی ہوگا تو ایک فارسی الاصل شخص اس کو حاصل کرے گا" اس حدیث کو بخاری وغیرہ نے بالفاظ مختلف ذکر کیا ہے۔ اس حدیث کے متعلق امام سیوطی شافعی فرماتے ہیں "یہ حدیث ایسی اصل صحیح ہے جس پر ابوحنیفہ کی بشارت وفضیلت پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ (تبییض الصحیفہ) علامہ محمد بن یوسف دمشقی شافعی کہتے ہیں۔ اس حدیث سے مراد ابوحنیفہ ہیں اور ابنائے فارس میں کوئی بھی علم میں ابوحنیفہ کے مرتبہ کو نہیں پہنچا (حاشیہ علی المواہب)

امام ابن حجر تصریح کرتے ہیں۔" ابوحنیفہ ابنائے فارس میں سے ہیں (تہذیب التہذیب)

اس مضمون میں وسعت تو کافی ہے لیکن ڈاکٹر صاحب کی تسلی اور قارئین کی دلچسپی اور معلومات کے لئے اتنا ہی کافی ہے جس سے ثابت ہوا کہ امام صاحب فارسی النسل تھے کابلی نہیں تھے۔ ان کا خاندان کبھی بھی غلام نہیں رہا۔ ائمہ اربعہ میں سے صرف ابوحنیفہ ہی ایسے ہیں جن کی بشارت وفضیلت حدیث صحیح میں موجود ہے۔

جانبازملک علوی جوڑا تحصیل وزیرآباد۔ خریداری ع ۶۱۲۱

شیخ رحمکارؒ اور عبدالحکیم سیالکوٹی کا سن وفات | "اخبار و افکار" کے ذیل میں جناب مولانا مفتی سیاح الدین صاحب اور جناب محمد نواز خٹک صاحب کا بیان پڑھ لیا۔ مضمون "خوشحال خان خٹک کا خاندان اور سلوک و تصوف" کے بعض مندرجات کے بارے میں دونوں حضرات کی توضیح وتذکیر کے لئے ممنون ہوں۔ عرض یہ ہے کہ راقم نے اردو ٹائپ شدہ مضمون ارسال کیا تھا جس میں ہندسہ (۶) سے کاتب کو غلط فہمی ہوئی لہٰذا مذکورہ ہندسہ کی جگہ کہیں (۹) اور کہیں (۴) تحریر کیا ہے۔ راقم کو اس بات سے مکمل اتفاق ہے کہ سنین کے غلط اندراج سے تاریخی واقعات کو سمجھنے میں کافی دشواریاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ جہاں تک حضرت شیخ رحمکارؒ کے سن وفات کا تعلق ہے اس کے متعلق تاریخی جملہ "بافقر رفت" (۱۰۶۳) زبان زد عام ہے۔ اس بنیاد پر راقم نے حضرت موصوف کا سن وفات ۱۰۶۳ھ ہی تحریر کیا ہے ۱۰۴۳ھ کاتب کے سہو قلم کا نتیجہ ہے۔

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا سن وفات راقم نے ۱۰۶۶ھ لکھا ہے ۱۰۶۷ھ بھی تو متفق علیہ نہیں ہے اس لئے کہ مفتی غلام سرور لاہوری خزینۃ الاصفیا جلد دوم میں ان کے سن وفات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"وفات وے بقول صاحب مخبر الواصلین درسال یک ہزار و شصت وہشت ہجری است۔" (۱۰۶۸)

اسی طرح تھامس ولیم نے اپنی کتاب "اورینٹل بایوگرافیکل ڈکشنری" میں مولانا کا سن وفات ۱۰۶۶ھ مطابق ۱۶۵۶ء تحریر کیا ہے۔ اورینٹل بایوگرافیر کے بارے میں مولوی عبدالرحیم مرحوم ناظم مکتبہ علوم مشرقیہ اسلامیہ کالج پشاور، لباب المعارف العلمیہ جلد دوم میں فرماتے ہیں :-

"اپنے موضوع پر نہایت جلیل القدر اور غالباً جامع ترین کتاب ہے۔ اردو میں اس قسم کی کتاب "قاموس المشاہیر" نظامی بدایونی نے لکھی ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس کے اکثر معلومات کا ماخذ یہی کتاب ہو"۔
مذکورہ بالا بیانات کی بنیاد پر راقم نے ۱۰۶۶ھ کو ترجیح دی۔ اور اس لئے بھی کہ اس بارے میں جو کتابیں دستیاب تھیں ان میں سے تھامس ولیم کی کتاب قدیم تر تھی۔
علاوہ ازیں راقم نے حضرت فقیر جمیل بیگ خٹک کے مادۂ تاریخ وفات کے بارے میں یہ شعر نقل کیا تھا ؎

چوں رفت ازجہان این کرامت خدیو بجز "ق" آمد زعالم "غربو"

(۱۲۱۶ – ۱۰۰ = ۱۱۱۶)

ظاہر ہے کہ حروف ابجد کے حساب سے ۱۱۱۶ھ برآمد ہوتا ہے۔ کاتب نے ہندسہ (۶) کو (۹) سمجھ لیا ہوگا۔
جناب محمد نواز خٹک کے ذکر کردہ نامہائے وفات کے علاوہ مضمون تحریر کرتے وقت فقیر بازمیاں مرحوم کا یہ شعر بھی زیر نظر تھا ؎

چہ فقیر صاحب رخصت لہ جہان شو "جان د غنچہ و" ٹول عالم پہ ژړیان شو

ڈاکٹر محمد حنیف اسلامیہ کالج پشاور

مدیران جرائد اور اخلاقیات نبوی ؐ | پاکستان میں اضمحلال و انحطاط اخلاق کے پیش نظر ایک تحریک "آواز اخلاق" ایک ناگزیر ضرورت ہے اور حاجت۔ الحمد للہ۔ اس کا آغاز "مذاکرۂ ملی اخلاقیات نبوی" سے ہو چکا ہے۔ (۱۱ تا ۱۵ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ) اس کی تفصیلات سے آپ بخوبی آگاہ ہیں۔ "مذاکرۂ ملی اخلاقیات نبوی" میں وطن پاک کے اہل فکر و نظر نے معتدبہ تعداد میں شرکت فرمائی۔ اور اصلاح احوال و اخلاق کے لئے لائحہ عمل تیار کرنے کا فریضہ انجام دیا ہے۔ مذاکرہ ملی نے چند اہم تجاویز برائے عمل منظور کی ہیں۔ ان میں حسب ذیل تجویز اصحاب جرائد کے غور و توجہ کے لئے پیش کرتا ہوں۔

"مذاکرہ ملی اخلاقیات نبوی کا یہ اختتامی اجلاس ملک کے تمام مدیران جرائد سے اپیل کرتا ہے کہ وہ قوم کی اخلاقی اصلاح کے لئے اپنے اپنے اخبار کا ایک صفحہ یا ایک حصہ آواز اخلاق کے عنوان سے اخلاقی مضامین و موضوعات کے لئے مختص فرمائیں اور باقی صفحات کو اسلام کی اخلاقی تعلیمات سے ہم آہنگ کریں اور عوام میں اخلاقی اقدار کا شعور بیدار کرنے میں اپنا کردار ادا کریں"۔ حکیم محمد سعید۔ ہمدرد کراچی

وفیات | دارالعلوم کے نہایت مخلص اور قدیم فاضل مولانا سکندر خان صاحب امیر نظام العلماء اٹک کے والد ماجد جناب محمد اکرم خان ۱۱۰ برس کی عمر میں برہ زئی چھچھ میں وفات پا گئے۔ مرحوم انگریزوں کے خلاف جنگ بلقان میں شریک ہوئے تھے۔ اسی دور میں کابل ہجرت بھی کی۔ انگریز کے قید و بند کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ دارالعلوم اپنے فاضل کے غم میں شریک ہے۔

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب زروبوی۔ صدر المدرسین دارالعلوم حقانیہ

اے تکلم کے امام و بذلہ سنج و نکتہ بیں ۔۔۔ تیرے سینے میں نہاں ہے عشق ختم المرسلین
موجزن ہے دل میں تیرے جذبہ صدق و یقیں ۔۔۔ با وجود ضعف و پیری خادمِ دینِ متیں

تیری حق گوئی حق آگاہی شجاعت مرحبا
مسند آرائے طریقت اور شریعت مرحبا

رازدانِ رمزِ قرآنی و اسرارِ کتاب ۔۔۔ تیری ہر تقریر ہے بس انتخاب لاجواب
سطوتِ باطل ہے تیرے سامنے مثلِ سراب ۔۔۔ آفریں صد آفریں بر نطق تو عالیجناب

تشنگان علم کو ہے منبع فیاض تو
در حقیقت وقت کے رازی ہیں اور عیاض تو

ہے خزینہ معرفت کا گنج عرفاں کی کلید ۔۔۔ حضرت سید حسین احمدؒ کے شاگردِ رشید
ذوقِ تو در درسِ "مسلم" قابلِ داد است و دید ۔۔۔ جامع معقول و منقول است درِ نا پدید

تیری محفل میں ہے ہر دم دورِ صہبائے حجاز
ذکرِ محبوب خدا و شوق مینائے حجاز

قاسمؒ و محمودؒ و انورؒ کی جھلک ان میں عیاں ۔۔۔ شیخ عبدالحق کے دیرینہ رفیق و رازداں
مفتخر جن پر ہے تقویٰ و تصوف کا جہاں ۔۔۔ مشغلہ دونوں کا ہے درس احادیث و قرآں

سیدی شیخی ابی والائے اوصافِ کمال
رب نے دی تجھ کو فراست مومنانہ لازوال

پیکرِ زہد و قناعت صاحب صدق و صفا ۔۔۔ اے علوم قاسمی کے شارحِ رنگیں نوا
سنتِ اسلاف سے لبریز تیری ہر ادا ۔۔۔ باعثِ صد ناز ہے یہ ذات تیری بے ریا

باضمیر و باحمیت ہے یہ آگاہِ خودی
فقر و فخری پر ہے قائم یہ شہنشاہ خودی

ملتِ بیضا کے غم سے خون ہے تیرا جگر ۔۔۔ چنتے ہیں غواص اس سیلِ معانی سے گہر
حق نے دی تجھ کو طلاقت بے نہایت پُر اثر ۔۔۔ یہ ضو افشانی ضیا پاشی تیری رشکِ قمر

کیوں نہ ہو فانیؔ کہ تو ہے دیوبند سے مستنیر
مبدار فیاض کی تم پر عنایت بے نظیر

* اختر راہی
* مفتی غلام الرحمان
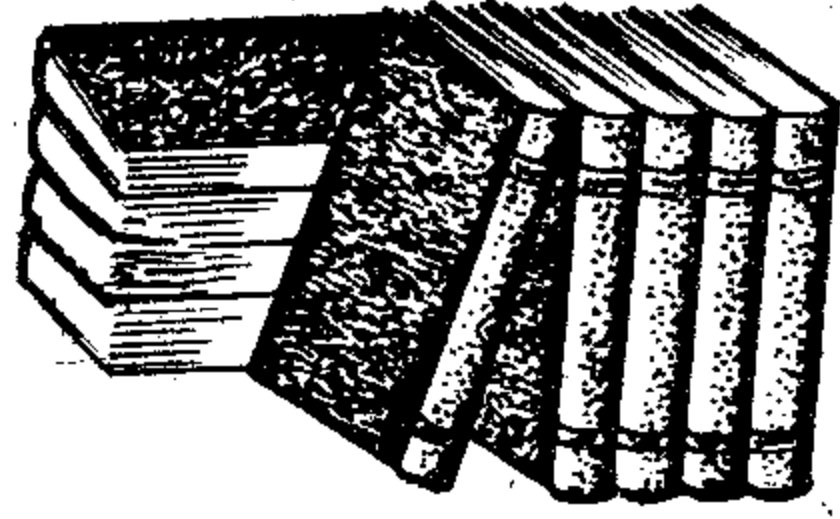
تعارف و تبصرہ کُتب

البیرونی اور جغرافیہ عالم ـــــ تالیف مولانا ابوالکلام آزاد

ناشر۔ مکتبہ شاہد ۹/۱ علی گڑھ کالونی۔ کراچی ۱۹۹۱ء ـــ صفحات ۱۲۸ ـــ قیمت ـــ ۱۸ روپے

البیرونی (م ۴۴۳ھ) اپنے دور کا ایک نابغہ تھا۔ اس نے اپنی ذہانت اور بصیرت سے مختلف علوم و فنون میں قابلِ ذکر اضافے کیے اور اس کی کتابیں "تاریخ علوم" کا ایک اہم حصہ ہیں۔ برصغیر میں البیرونی سے دلچسپی رکھنے والوں میں مولانا آزاد کا نام بھی شامل ہے۔ انہوں نے ہفت روزہ "الہلال" (کلکتہ) کے کالموں میں البیرونی اور اس کی کتابوں کا ذکر کیا۔ اور ۱۹۴۷ء کے لگ بھگ زیرِ نظر مقالہ لکھا۔ یہ مقالہ حال ہی میں شائقینِ علم تک پہنچا ہے۔ اس کا مسودہ مولانا آزاد کے ذخیرۂ کتب میں موجود تھا جسے جناب مسیح الحسن صاحب نے ڈھونڈا۔ اور جناب ضیاء الحسن فاروقی صاحب کے مقدمہ اور ترتیب و تدوین کے ساتھ سہ ماہی "اسلام اور عصرِ جدید" دہلی میں شائع ہوا۔

جناب مسیح الحسن صاحب نے تعارفی مضمون میں لکھا ہے کہ ۱۹۵۲ء میں البیرونی کا ہزار سالہ جشن منایا گیا۔ اس وقت مولانا آزاد وزیرِ تعلیم تھے اور تقریباتِ جشن سے ان کا قریبی تعلق تھا۔ مگر اس موقع پر بھی زیرِ نظر مقالہ نہ چھپ سکا۔ اس حد تک تو جناب مسیح الحسن صاحب کا بیان درست ہے۔ کہ اصل مقالہ شائع نہ ہوا۔ مگر اس کے عربی اور فارسی تراجم چھپ گئے تھے۔ (ملاحظہ ہو۔ احمد سعید خان۔ کتاب شناسی ابوریحان بیرونی)

ہندوستان میں مقالہ کی اشاعت کے باوجود ہمارے ہاں کے شائقینِ کتب اس سے بہت حد تک محروم تھے۔ اس امر کی ضرورت تھی کہ یہ مقالہ یہاں شائع ہوتا " مکتبہ شاہد" کراچی نے اس ضرورت کو پورا کیا ہے۔ زیرِ نظر ایڈیشن میں ڈاکٹر ابو سلمان صاحب شاہجہان پوری کے قلم سے مولانا آزاد کے " مطالعۂ البیرونی" پر خوبصورت اور معلومات افزا تبصرہ شامل ہے۔ اس کے علاوہ "الہلال" بابت ۲۶ اگست ۱۹۲۷ء اور "غبارِ خاطر" سے بھی البیرونی سے متعلق تحریریں شامل کر لی گئی ہیں۔ اس طرح مواد کے اعتبار سے یہ ایڈیشن، ہندوستانی ایڈیشن سے زیادہ بہتر اور وقیع ہے۔

یہ مقالہ نہ صرف مطالعۂ البیرونی کے باب میں قابلِ ذکر ہے بلکہ مولانا آزاد کی دانش و فکر کی تفہیم کے لئے بھی اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ امید ہے اہلِ علم اس سے پورا استفادہ کریں گے۔

(اختر راہی)

"مارکسیت کا مغالطہ" مؤلف۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین
مترجم۔ محمد طفیل سالک۔ ناشر۔ ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور قیمت ۔/۵ روپے

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم ان اہل دانش میں سے تھے جو اسلام کی تعلیمات پر پختہ یقین اور نظریہ حیات کے بارے میں بڑا صاف اور واضح ذہن رکھتے تھے۔ انہوں نے ۱۹۵۱ء میں "مارکسیت کا مغالطہ" کے عنوان سے انگریزی میں ایک مضمون لکھا تھا۔ اسی کا ترجمہ جناب محمد طفیل سالک نے کیا ہے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم نے بعد میں اپنے اس انگریزی مضمون پر نظر ثانی کی۔ اور یہی مضمون نسبتاً طویل تر شکل میں ۱۹۶۹ء میں ادارہ ثقافت اسلامیہ نے تیسری بار شائع کیا تھا۔ بہتر تو یہ تھا کہ نظر ثانی کئے ہوئے ایڈیشن کا ترجمہ کیا جاتا۔ تاہم زیر نظر ترجمہ بھی افادیت سے خالی نہیں ہے۔ (اختر راہی)

اسلام کا قانون شہادت جلد اوّل حصہ فوجداری۔ مرتب حضرت مولانا سید محمد متین صاحب ہاشمی۔ ناشر۔ مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری لاہور۔ صفحات ۴۷۲۔ قیمت ۔/۵۵ روپے۔ عمدہ طباعت، بہترین کاغذ، خوبصورت جلد

بیشک اسلام ہی کا قانون، عدل و انصاف کا ضامن ہے کیونکہ اقوام عالم کے ہاں کسی آئین میں حفاظت نفس، مال و نسب کو وہ مرکزی اہمیت حاصل نہیں۔ اسلام نے معجزانہ انداز میں حفاظت نفس کے لئے قصاص، حفاظت مال کے لئے حد سرقہ اور حفاظت نسب کے لئے حد زنا مقرر کر کے لوگوں کو آسان اور سستا انصاف مہیا کیا۔ دنیا کے دیگر مذاہب اور آئین ساز اداروں میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

اسلام نے اصلاح معاشرہ کے لئے حد شرب خمر اور حد قذف مقرر کر کے ایک پاکیزہ معاشرے کے قیام کا طریقہ سکھایا۔ لیکن ان تمام حدود اور تعزیرات کے لئے "قانون شہادت" موقوف علیہ ہے۔ جس کے بغیر ان کا نفاذ ممکن نہیں۔ زیر نظر کتاب میں حضرت مولانا سید محمد متین صاحب ہاشمی نے قانون شہادت کے جملہ پہلوؤں پر بحث کر کے حدود و قصاص کے لئے شہادت میں شاہد کی اہلیت و اہمیت۔ قبول و عدم قبول کی جملہ صورتوں کو معتبر کتب سے دفعہ وار مدون کر کے ایک عظیم کارنامہ سر انجام دیا۔ اور ساتھ ساتھ مغرب زدہ طبقہ کے بعض اعتراضات کو نقل کر کے آسان اور سلیس زبان میں جوابات بھی دئے ہیں۔ کتاب کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ بعض مواقع پر اسلام کے قانون شہادت سے مروجہ قانون شہادت کا موازنہ کر کے اسلام کے آئینی اعجاز کو ثابت کیا ہے۔ فاضل مصنف بعض مقامات پر اپنی صوابدید پر صاحبین یا دوسرے ائمہ کے اقوال کو ترجیح دیتے ہیں بلکہ کبھی کبھار اپنی رائے کو بھی پیش کر کے اہل حل و عقد کو تائید و تنقید کی دعوت دیتے ہیں۔ کتاب کے آخر میں ضمیمہ ۲ کے نام سے ایک کتابچہ میں مختلف ائمہ کرام اور فقہائے عظام کے مستند حالات اور واقعات نقل کر کے کتب مطولات سے بے نیاز کرتے ہیں بلا شک و شبہ یہ کتاب خواص و عام، طلباء، وکلاء اور علماء کے لئے نادر تحفہ ہے اسلامی قوانین کی تدوین و نفاذ کے اس مرحلہ پر یہ ایک اہم کتاب ہے جو اسلامی قانون شہادت پر کام کرنے والوں کے لئے بہترین معاون ثابت ہوگی۔ (مفتی غلام الرحمان)

يٰأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا

O ye who believe! Fear God as
He should be feared, and die not
except in a state of Islam. And
hold fast, all together, by the
Rope which God stretches out
for you, and be not divided
among yourselves.

پونڈز
حسن کی جاذبیّت کے لیئے
Pond's
Dreamflower talc
POND'S
انٹرنیشنل لیبارٹریز لمیٹڈ۔ کراچی

ٹنڈر نوٹس

صرف سی اینڈ ڈبلیو ڈیپارٹمنٹ کے منظور شدہ ٹھیکیداروں سے جنہوں نے سال رواں ۸۲ - ۱۹۸۱ء کے لیے رجسٹریشن فیس داخل کی ہو۔ مندرجہ ذیل کام کے لیے ٹنڈر مطلوب ہیں۔ جو کہ مورخہ ۱۲/۵/۸۲ کو دفتر ہذا میں پہنچ جانی چاہئیں۔ یہ ٹنڈر برائے ٹھیکہ سال ۸۳-۱۹۸۲ء (از جولائی تا جون) تک ہوگا۔

کام کا نام	تخمینہ لاگت	زر بیعانہ	عرصہ تکمیل	ٹنڈر کھولنے کی تاریخ
سیمنٹ کی کیرج کے لیے صدر ریلوے سٹیشن اور سٹی ریلوے سٹیشن سے P.W.D گودام بھانہ ماڑی و دیگر گودام پشاور بمعہ ان لوڈنگ سیمنٹ ریلوے ویگن سے۔ اور ٹرک میں لوڈنگ اور ان لوڈنگ اور سٹیکنگ بھانہ ماڑی گودام میں۔ ایڈیشنل چارجز بذمہ ٹھیکیدار ہوں گی۔ ریٹ فی ٹن فی کلومیٹر کیرج کے دوران پھٹ جانے والی بوری کی قیمت مبلغ ۵ روپے فی بوری وصول کی جائے گی۔ اگر ٹھیکیدار محصول ادائیگی کرے۔ تو محصول کی رسید پیش کرنے پر رقم واپس کی جائے گی	1,50,000	3000/-	ایک سال — ہر ویگن کے لیے ۲ دن ریلوے بلٹی کے پہنچنے کے بعد	12 5/82

شرائط: ٹیلی گرافک اور مشروط ٹنڈر قبول نہیں کیے جائیں گے۔ زر بیعانہ زیر دستخطی کے حق میں حاصل شدہ کال ڈیپازٹ کی صورت میں ٹنڈر فارم کے ہمراہ منسلک ہونا چاہیے۔

زیر دستخطی بلا اظہار وجوہ کسی ایک یا تمام ٹنڈر مسترد کرنے کا حق رکھتا ہے۔

ایگزیکٹو انجنیئر

میکینکل سی، ڈبلیو ڈویژن

پشاور

INF(P) 1163
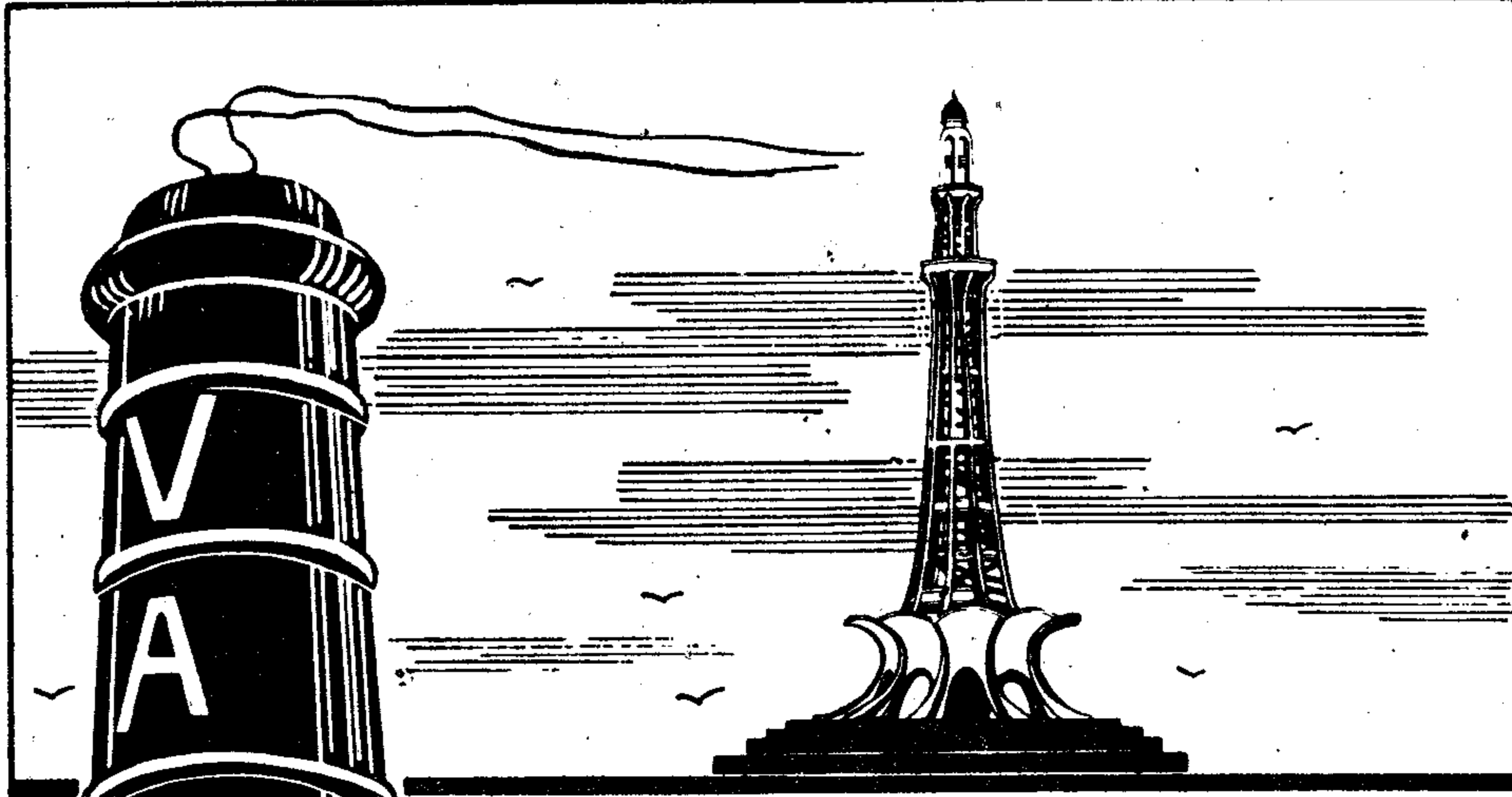
VALIKA
ولیکا
پاکستان کے صنعتی نقشہ میں
اُبھرنے والا سب سے پہلا نام
پاکستان کے صنعتی میدان میں سب سے
پہلے پروجیکٹ کی بنیاد رکھنے کا اعزاز ولیکا کو
حاصل ہے۔ مُلک میں عظیم صنعتوں کے
قیام کے لئے ولیکا کی نمایاں کاوشیں،
قومی معیشت کی ترقی سے وابستہ اداروں کے لئے ہمیشہ
تقویت کا باعث رہی ہیں ــــ
ولیکا وولن ملز
کمپنی لمیٹڈ
ORIENT